معیاری ادب

مثنوی گلزارِ نسیم

…تبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

س عرفان

معیاری ادب ۱۹

مثنوی گلزار نسیم

دیا شنکر نسیم لکھنوی

تصحیح و ترتیب

رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ 202001

جون ۲۰۰۷ء　　　تعداد: 500　　　قیمت: -/20 روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں طبع ہوئی۔

مجلس ادارت

حرفِ آغاز

پُرانی کتابیں کم یاب ہوتی جا رہی ہیں۔ جو کتابیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیشتر قابلِ اعتبار نہیں۔ عام طور سے اُن کی قیمتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ جو اچھّی کتابوں کو خریدنا چاہتے ہیں، قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں خرید پاتے۔

اِن امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، مکتبہ جامعہ نے، حکومتِ جمّوں وکشمیر کے تعاون سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس کے تحت قدیم معیاری کتابیں، صحتِ متن اور حُسنِ طباعت کے ساتھ پیش کی جائیں گی۔ اِن کتابوں کا متن بہت اہتمام کے ساتھ تیار کیا جائے گا جو اُس کتاب کے معتبر ترین نسخے پر مبنی ہوگا۔ صحتِ متن کے ساتھ ساتھ صحتِ اِملا کا بھی بہ طورِ خاص لحاظ رکھا جائے گا اور یہ ساری کتابیں آفسٹ پر نہایت خوب صورتی کے ساتھ چھاپی جائیں گی۔ اس کے باوجود ان کتابوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں گی اور اس کے لیے مکتبہ جامعہ حکومتِ جمّوں وکشمیر کا ممنون ہے جس کی مالی امداد نے اِس بات کو ممکن بنایا۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومتِ جمّوں وکشمیر کی مالی امداد سے مرتّب کیا ہوا کتابوں کا یہ سلسلہ اُردو زبان و ادب کے فروغ میں اور اچھّی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

شاہد علی خاں
جنرل مینیجر

تعارف

پنڈت دیا شنکر نسیمؔ کی مثنوی ' گل زارِ نسیم ' اُردو کی اُن چند مثنویوں میں سے ہے جنھوں نے قبولِ عام کی سند حاصل کی۔ مثنوی کی کہانی ' قصۂ گل بکاولی ' کے نام سے مشہور ہے۔ نسیم نے قصہ بنایا نہیں ہے، پُرانی داستان کو اُردو میں نظم کیا ہے۔ اصل قصہ عزت اللہ بنگالی کا لکھا ہوا فارسی نثر میں تھا۔ "عزت اللہ کی فارسی نثر کا ایک مخطوط ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں ہے۔ فہرستِ مخطوطات کے مرتب نے اس کی تاریخِ تصنیف ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۲ء) لکھی ہے۔" (اُردو مثنوی شمالی ہند میں۔ ص ۴۳۴) منشی نہال چند لاہوری نے ۱۸۰۳ء میں گل کرسٹ کی فرمائش پر اس کا اُردو نثر میں ترجمہ کیا۔ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸-۳۹ء) میں نسیمؔ نے اس دلچسپ داستان کو اُردو نظم کا لباس پہنایا اور اپنے کمالِ فن سے اس کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ نسیمؔ نے خود اس کی صراحت کر دی ہے:

ہر چند سُنا گیا ہے اِس کو — اُردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے، دادِ نظم دوں میں — اُس مے کو دو آتشہ کروں میں

یہ واقعہ ہے کہ نسیمؔ کے بے مثل مرصع اسلوبِ بیان نے اِس داستان کے مرقع کو شہرت کی بہت اونچی محراب پر سجا دیا ہے۔

داستان کی خوبی، اُس کی ذیلی تفصیلات اور ضمنی کہانیوں میں پنہاں ہوتی ہے۔ تفصیلات نگاری نہ ہو تو رزم و بزم کی مرقع نگاری نہیں ہو سکتی، مناظر کا بیان نہیں ہو سکتا اور معاشرت کی قدِ آدم تصویریں نہیں

بن سکتیں ۔ کہنے والا ڈھنگ کا ہو تو ان تفصیلات ہیں رنگ آمیزی کر کے اور سلیقے سے ترتیب دے کر، بلکہ سجا کر، طلسماتی فضا پیدا کر سکتا ہے ۔ نسیمؔ نے یہ عجیب انداز اپنایا کہ نثری قصّے میں جو تفصیلات تھیں، اُن پر اضافہ در کنار، اُلٹا اُن کو اختصار کے شکنجے ہیں کسا۔ کچھ تفصیلات تو بالکل غائب ہو گئیں کچھ نقطوں میں سما کر رہ گئیں ۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ قصّہ دل کشی سے محروم ہو جاتا، لیکن ہوا یہ کہ ایک نثری داستان، اُردو کی نہایت مشہور منظوم کہانی بن گئی ۔ گویا شہرت کا مدار کہانی پر کم سے کم ہے، نظم کے حُسن نے یہ جادو جگایا ہے۔

اُردو میں داستانی مثنویاں بہت لکھی گئیں، لیکن قبولِ عام کا شرف دو مثنویوں کو حاصل ہوا۔ میر حسنؔ کی سحر البیان اور دیا شنکر نسیمؔ کی گل زارِ نسیم ۔ دونوں کے راستے الگ الگ ہیں، اِس لیے یہ بے انصافی بھی ہوگی اور بے دردی بھی کہ دونوں کا موازنہ کیا جائے ۔ میر حسنؔ کے یہاں مرقع نگاری کی شان ہے ۔ وہ مصوری کرتے ہیں ۔ جزئیات کی اہمیت سے خوب واقف ہیں اور تاثیر کی قدر و قیمت اور اُس کے انداز و اسلوب سے بھی آشنا ہیں ۔ یوں بھی زبانِ لکھنؤ کی نمود اس وقت تک محوِ خواب تھی ۔ بیان کی سادگی، جذبات کی تصویر کشی، محاکات نگاری اور جزئیات کی عکاسی، یہ چیزیں تو اُن کے خان دان کا جوہر ہو کر رہ گئی ہیں ۔ انیسؔ کے مرثیے اِس کی گواہی دینے کے لیے کافی ہیں ۔ یہ وہی نور ہے جو کئی پردوں سے چھن کر گر رہا ہے ۔ اُجلے سے میداں چمکتی سی ریت، کا عکس انیسؔ کے مرثیوں کے ہر صفحے پر نظر آئے گا۔

نسیمؔ کے وقت تک نیا راگ اپنا رنگ جما چکا تھا ۔ شاعری، بندشِ الفاظ تھی اور بندشِ الفاظ، نگینوں کے جڑنے سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی ۔ زندگی سر سے پیر تک رعایتوں اور تلازموں کا نگار خانہ تھی ۔ چمک دمک کی بڑی قیمت تھی ۔ انگریزوں نے غازی الدّین حیدر کو بادشاہت کا خطاب دے کر، سلطنتِ دہلی کی نیاز مندی سے آزاد کر دیا تھا ۔ دوسری طرف ناسخؔ نے ایک نئے اسلوبِ شعر کو رواج دے کر، جس کا سلسلۂ نسب اُس وقت تک دہلی ہی سے جوڑا جاتا تھا، آزادی و خود مختاری کا خلعت پہنا دیا ۔ یہ لازم تھا کہ یہ نیا اسلوب، اُس پُرانے انداز سے بہ ہر صورت مختلف ہو ۔ ناسخؔ کے کلّیات کو دیکھ لیجیے، لفظوں کا ہیبت کدہ معلوم ہوگا ۔ نسیمؔ نے بھی یہی رنگ پسند کیا لیکن اُن کی ذہانت نے خوش سلیقگی سے قطعِ تعلق نہیں کیا اور اس طرح

اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی۔ انھوں نے لفظی صنائع، خصوصاً رعایتِ لفظی کو اپنا شیوہ قرار دیا لیکن اُن کے سلیقے نے اس کو لفظوں کا بے کیف کھیل بنانے کے بجائے معنی آفرینی کا ایک انداز بنا دیا۔ لفظوں میں رعایت کو اس طرح ملحوظ رکھا کہ اس التزام سے ایسے پہلو دار انداز کی تشکیل ہو جس میں معنویت کی تہ لگی ہوئی ہو۔ اور پھر ان پہلو دار لفظوں کو ایسی چست بندش کے سانچے میں ڈھالا کہ شعر بولتے ہوئے پیکر بن گئے۔ اس معنوی تہ داری اور چستی بندش کے فیض سے مثنوی گل زارِ نسیم کے بہت سے شعر ضرب المثلوں کی طرح دُہرائے جاتے ہیں۔

رعایتِ لفظی کا التزام بے حد عجیب چیز ہے۔ ذرا سی بد سلیقگی سے یہ سب سے بُرا عیب بن جاتا ہے۔ مثال میں پورے کے پورے دیوان پیش کیے جا سکتے ہیں۔ بہت سے زیور لاد لینا دولت مندی کے ساتھ ساتھ گنوار پن کی پہچان بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات کسی جھجک کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ نسیم نے بڑی مہارت اور سلیقے کے ساتھ اس فن کو اشعار کے شیشے میں اُتارا ہے۔ اُردو میں کوئی دوسری اتنی طویل نظم شاید ہی پیش کی جا سکے جس میں چند مقامات کو چھوڑ کر رعایتِ لفظی سے اشعار میں ایسی پہلو داری پیدا کی گئی ہو اور حُسنِ بیان کی نزاکت کو کم سے کم ٹھیس پہنچی ہو۔

نسیم کے کمال کا صحیح اندازہ اُس وقت ہو گا جب اس کا مقابلہ شوق قدوائی کی مثنوی ترانۂ شوق سے کیا جائے۔ نسیم نے جس اسلوب کی تشکیل کی تھی، اس کی تقلید کی بہت کوشش کی گئی۔ اس میں سب سے کامیاب کوشش ترانۂ شوق میں نظر آتی ہے لیکن قدم قدم پر نظر رکتی ہے اور ذہن الجھتا ہے۔ کہیں کہیں تو لفظی رعایتوں پر ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ تجلّی کو تکرار نہیں۔

اختصار واقعات کا تو بہت آسان ہے لیکن لفظوں میں بہت مشکل ہے۔ اس میں بالکل مبالغہ نہیں کہ نسیم نے اُتنے ہی لفظ استعمال کیے ہیں جو از حد ضروری تھے۔ طرز ادا کے لحاظ سے یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ مفاہیم کو کم سے کم الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش میں معنوی الجھاو کا خطرہ قدم قدم پر لگا رہتا ہے اور بندش کی چستی کا رنگ بھی اکثر مدھم پڑ جاتا ہے۔ ساری توجہ تو لفظوں کی کفایت شعاری پر محدود رہتی ہے۔ نسیم نے اس پہلو کا بہت لحاظ رکھا ہے۔ اُن کے اچھے اشعار،

مثنوی گلزارِ نسیم

اُردو شاعری میں چُستی بندش کی عمدہ مثالوں کے ذیل میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اِس کتاب کے حُسنِ قبول میں اس کی چُست بندشوں کا بڑا حصہ ہے۔ واقعات اور الفاظ دونوں کا ایسا اختصار جس سے زیادہ بہ ظاہر ممکن العمل نہ معلوم ہو، لفظوں میں ایسی رعایتوں کو ملحوظ رکھنا جن سے معنویت کی تہیں نمایاں ہوتی رہیں، اور بندش کا اس قدر چُست ہونا کہ شعر کی روانی، تلوار کی کاٹ بن جائے جیسے کسے ہوئے تاروں سے ترشتے ہوئے نغمے نکل رہے ہوں؛ نسیمؔ کا اسلوب اِنھی سے مرکّب ہے۔ ذیل میں صرف چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ اِس مثنوی کی خصوصیاتِ شعری کا اِن ہی سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اختصار (واقعات اور الفاظ دونوں کا) رعایتِ لفظی کی مدد سے معنویت کی پیکر تراشی، بندش کی چُستی، جس کے فیض سے اشعار کی روانی، ضرب الامثال سے چشمک زنی کرتی ہے؛ ان بنیادی خصوصیات کے علاوہ تشبیہوں اور استعاروں کی نُدرت بھی اِس مثنوی کی ایک خاص صفت ہے۔ اِن اشعار سے ان سب امور کا ہلکا سا نقشہ سامنے آسکتا ہے:

دن دن اُسے ہو گیا قیامت　　　　بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
چلتی تو زمیں میں سرو گڑتے　　　　باتیں کرتی تو پھول جھڑتے

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے　　　　جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجے　　　　دُکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار　　　　اب مان نہ مان تو ہے مختار

انسان و پری کا سامنا کیا　　　　مُٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا

وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی　　　　خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی

جاگی مرغِ سحر کے غُل سے — اٹھی نکہت سی فرش گل سے

بند اُس کی وہ چشم نرگسی تھی — چھاتی پہ کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی
سمٹی تھی جو محرمِ اُس قمر کی — بُرجوں پہ سے چاندنی تھی سر کی

دیووں سے بھی لڑ سکا ہے کوئی — سائے کو پکڑ سکا ہے کوئی

درویش رواں رہے تو بہتر — آبِ دریا بہے تو بہتر

کیا رنگ زمانے نے دکھائے — گُل لینے گئے تھے داغ لائے

پوچھا کہ سبب؟ کہا کہ قسمت، — پوچھا کہ طلب؟ کہا: قناعت

توتا بن کر، شجر پہ آکر — پھل کھا کے، بشر کا روپ پاکر
پتے، پھل، گوند، چھال، لکڑی — اُس پیڑ سے لے کے راہ پکڑی

اس مثنوی میں یہ جو صورت ہے کہ رعایتِ لفظی کے اہتمام کے باوجود، معائب نسبتہً بہت کم ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ اس کا اختصار بھی ہے۔ اگر یہ مثنوی موجودہ صورت کے برخلاف طویل ہوتی تو اس کا قوی امکان تھا کہ اور معائب کے ساتھ ساتھ بھدا پن بھی نمایاں ہو جاتا۔ یہ اختصار آتش کے کہنے سے ہوا ہو یا خود شاعر کی خوش ذوقی کا کارنامہ ہو، اس نے مثنوی کو حسنِ بیان اور حُسنِ قبول دونوں بخشے ہیں۔ مثنوی ترانۂ شوق کو دیکھ لیجیے، محض طوالت و تکرار نے رعایتِ لفظی کے ناگوار پہلوؤں کو حاوی کر دیا ہے، ورنہ اچھے اشعار کی اُس میں بھی کمی نہیں۔

رعایت لفظی اور اختصار، اِن میں خواہ کتنا ہی حُسن ہو، یا پیدا کیا جائے لیکن ایمان کی بات

یہ ہے کہ مثنوی کی صنف میں اوران میں ایک طرح کا بیر ہے۔ اور سب حُسن پیدا ہو جائیں گے، مگر جذبات نگاری، واقعہ نگاری اور محاکات، جو مثنوی کے لازم اجزا ہیں، ان کا رنگ اُڑ جائے گا۔ اِس رنگ میں آنسوپی کے قسمیں کھانا آسان ہے، یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ: دوانی سی ہر سمت پھرنے لگی۔ گُل زارِ نسیم میں جذبات نگاری، جُزئیات کی عکاسی اور مناظر کی تصویر کشی مفقود ہے۔ اس کے اشعار میں چمک ہے، دل کشی ہے، لیکن تاثیر کی گرمی نہیں۔ اس کے صفحات گویا ولایتی گلاب کے تختے ہیں، سب کچھ ہے، خوشبو نہیں

گلزارِ نسیم نے مثنوی نگاری میں ایک نئے انداز کا اضافہ کیا، جو اُس سے پہلے اس طرح متعارف نہ تھا۔ یوں یہ اپنے طرز کی منفرد مثنوی ہے۔ اُس مخصوص اور محدود انداز کے دائرے کے اندر اس میں وہ سارے محاسن موجود ہیں جن سے اس انداز کی یکتائی کے نقش و نگار بنتے ہیں۔ سحرالبیان اور گُل زارِ نسیم، اُردو کے دو مختلف اسالیب کی نمایندہ ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں اسالیب کی تشکیل ہی انھی سے ہوئی ہے۔ یہ بہت بڑا شرف ہے کہ ایک مستقل اور منفرد طرز کی تشکیل کسی خاص تصنیف سے ہو اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تاحال، اس طرز پر اضافہ نہ کیا جاسکا ہو۔ وہی نقشِ اوّل، نقشِ آخر کی حیثیت رکھتا ہو۔

اُردو میں اچھا خاصا ذخیرہ ایسی داستانوں کا ہے جن میں ایرانی اور ہندستانی عناصر آمیز ہیں۔ عطرِ مجموعہ شاید اسی کو کہا جائے گا۔ پریاں ہوں کہ دیو، جادوگر ہوں یا حکیم، طلسمات کا شہر ہو یا آدمیوں کی بستی، پورب کا ایک شہنشاہ ہو یا مغرب کا کوئی شہزادہ، ان سب کے رہن سہن، رسم و رواج میں وہ سارے اجزا خلط ملط نظر آئیں گے جو ہندستان کی طویل الذّیل ہند ایرانی معاشرت کی پیداوار ہیں۔ داستان کا تجزیہ کیجیے تو پنچ تنتر سے لے کر الف لیلہ تک متعدّد نقشوں کے ہلکے گہرے عکس دکھائی دیں گے۔ گل زارِ نسیم بھی اسی ہند ایرانی داستانی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پورب کا ایک شہنشاہ ہے جس کے نام سے یہ قصّہ شروع ہوتا ہے اور پریوں کے دیس تک اس کا سلسلہ پہنچتا ہے۔ راجا اندر کا دربار بھی بیچ میں آجاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب "اُردو مثنوی شمالی ہند میں" تفصیل کے ساتھ اجزائے داستان کا تجزیہ کیا ہے اور اس کے مآخذ پر بھی بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

گُل زار نسیم میں فوق الفطرت طاقتوں کے کرشمے پھیلے ہوئے ہیں۔ داستانوں میں یہی ہوتا تھا آج ان عجائبات میں کچھ زیادہ کشش باقی نہیں رہی لیکن اس مثنوی میں بے پناہ کشش موجود ہے۔ بات وہی ہے کہ اصل حُسن اندازِ بیان میں چُھپا ہوا ہے۔ اور یہ وہ حُسن ہے جو شاید ہی کبھی ماند پڑ سکے۔ اس کے مختصر واقعات کی اہمیت ثانوی ہے۔ اصل حیثیت اُس صنّاعی کی ہے جس کے اثر سے اس مثنوی کے اشعار مرصّع سازی کے شاہ کار معلوم ہوتے ہیں۔

نسیم ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) میں اس دنیا سے اُٹھ گئے۔ سالِ وفات کے بعض اختلافات سے میں نے ایک الگ مضمون میں بحث کی ہے جو رسالہ 'نیا دور' لکھنؤ کے شمارہ نومبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ بزرگوں کا وطن کشمیر سہی، خود ان کا مولد و مسکن لکھنؤ تھا۔ افسوس یہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات کم سے کم معلوم ہیں۔ یہ بہرطور معلوم ہے کہ آتش کے شاگرد تھے، اور اپنے زمانے کے خوش گو شاعر تھے۔ رواجِ زمانہ کے مطابق غزلیں بھی کہتے تھے، لیکن ان کی شاعری کی اصل قیمت اُن کی مثنوی کے سبب سے ہے۔ یہ مثنوی ۱۲۵۴ھ (۳۹-۱۸۳۸ء) میں مکمل ہوئی تھی اور پہلی بار لکھنؤ کے مطبع میر حسن رضوی میں ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں چھپی تھی۔ یہی اس مثنوی کا واحد معتبر اڈیشن ہے۔ اِس نسخے کے آخر میں خاتمۃ الطبع کی جو عبارت ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اڈیشن نسیم کی نگرانی میں چھپا تھا۔ "در مطبعِ حسنی سیدی سندی میر حسن رضوی .... بہ تصحیح و مقابلۂ مصنف حلیۂ طبع پوشید" آخر میں نسیم کا کہا ہوا قطعۂ تاریخِ طبع بھی شامل ہے، جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

چون زیورِ طبع نیک پوشید — بہر تاریخ طبع کوشید
گلزارِ نسیم شد چو مسموع — گل گفت کہ تازہ گشتہ طبوع
۱۲۶۰

مثنوی کے آخر میں نسیم کا لکھا ہوا قطعۂ تاریخِ تصنیف بھی موجود ہے، جس سے سالِ تکمیلِ تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ مصرعِ تاریخ یہ ہے: توقیعِ قبول روزِیش باد۔ ۱۹۰۵ء میں چکبست نے اسے ایک مقدمے کے ساتھ بہت اہتمام سے شائع کیا۔ یہ اڈیشن معرکۂ چکبست و شرر کی بنیاد بنا اور دنوں تک اعتراضات و جوابات کی آتش بازی چھوٹتی رہی۔ ہوا یہ کہ مولانا شرر نے چکبست والے نسخے پر تبصرہ کیا۔ لیکن

ترتیب و تدوین کے مسائل سے بحث کرنے کے بجائے، نسیم کی زبان پر توجہ مصروف رکھی۔ مولانا کو اس مثنوی میں بے شمار غلطیاں نظر آئیں، ایسی غلطیاں جن کا لکھنؤ کے کسی معقول شاعر کی طرف منسوب ہونا، لکھنؤ کے لیے باعثِ شرم قرار پاتا تھا۔ بعض غلطیاں ایسی بھی معلوم ہوئیں جن کو مولانا کی رائے میں چکبست نے بڑھا دیا تھا۔ لطیفہ یہ تھا کہ مولانا نے پہلا اڈیشن تلاش کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ایک بہت موخر اڈیشن پر گفتگو کی بنیاد رکھی تھی۔ مولانا کی طبیعت میں مناظرہ کرنے والوں جیسی ایک بات ضرور تھی اور قلم بھی اسی کا حریف یا ہم نوا ملا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ عبارت کی تلخی نے مخالفت کی چنگاریاں مشتعل کر دیں۔ ادبی بحث سخت کلامی کے مناظرے میں تبدیل ہو گئی۔ (یہاں پر انصاف کا تقاضا ہے کہ اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ چکبست نے اپنے دیباچے میں بعض غیر متعلق باتیں ایسی ضرور لکھی تھیں جن پر شعرائے لکھنؤ کا برہم ہونا بجا تھا۔ بعض واقعات جو نسیم کے مرتبہ شعری کی بلندی ظاہر کرنے کے لیے لکھے گئے تھے، وہ تو صریحاً غلط ہیں اور رعایتِ لفظی کے ذکر میں بعض قدیم شعرائے لکھنؤ کا ذکر بھی غیر ضروری تھا۔)

چکبست نے اس کا جواب دیا اور بہت کوشش کے ساتھ اکثر اعتراضات کی سندیں بہم پہنچائیں، یہ مضمون آج بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ لہجہ شایستہ ہے اور اسناد کی تلاش میں کاوش قابلِ تعریف ہے۔ طرفین کے بعض نادان طرف داروں نے اب جو قلم کی تلوار کو گردش دی تو معقولیت کا سر اُتار کے رکھ دیا۔ اصل بحث تو درمیان سے اُٹھ گئی، غیر متعلق باتیں ہونے لگیں، یہ مثنوی اصل میں آتش کی لکھی ہوئی ہے، اس روایت کا ذکر مولانا پہلے ہی تبصرے میں کر چکے تھے، اب اس پر بھی حاشیہ آرائی شروع ہوئی۔ اُدھر سے اودھ پنچ نے چکبست کی طرف داری میں طوفان اُٹھایا۔ اودھ پنچ کے معرکے اس کے شاہد ہیں کہ وہاں سخن فہمی سے زیادہ اہمیت طرف داری کی تھی اور طرف داری کے لیے معقول و نامعقول کی کوئی قید نہیں تھی۔ وہ شوخیِ طبع جس نے حالی کا قافیہ ڈفالی تراشا تھا اور داغ کی شاعری کا خاکہ اُڑایا تھا، اُس نے کہیں زیادہ ابتذال کے ساتھ اب مولانا شرر کے نام، وطن اور دوسری چیزوں کا مضحکہ اُڑانا شروع کیا۔ یہ لے اس قدر بلند ہوئی کہ متانت کی آنکھیں جھک گئیں اور تہذیب نے کان بند کر لیے۔ ادبی بحث تو کم ہوئی، پھکڑ زیادہ چلی۔ اس سلسلے کے کچھ سنجیدہ اور کچھ نیم سنجیدہ مضامین "معرکۂ چکبست و شرر" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ نسیم سے لغزشیں

ہوئی ہیں، وہ کم سہی، چکبست کی یہ زیادتی تھی کہ وہ ہر لغزش کی سند بہم پہنچانا چاہتے تھے۔ یہ محض غیرضروری بات تھی۔ غلطی سے کون بچا ہے۔ کیا ناسخ کے یہاں اغلاط نہیں؟ اس سے شاعری پر حرف نہیں آتا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو شخص اچھے شعر کہے گا وہ غلطی بھی کرے گا۔ آج تک یہی ہوا ہے گلزارِ نسیم میں ایک بات تو واقعی کھٹکتی ہے کہ جو شاعر اکثر اشعار ایسے کہتا ہے جن میں چستیِ بندش کا حُسن گویا خون بن کر دوڑ رہا ہے، اُس کے یہاں اچانک ایسے شعر بھی آجاتے ہیں جہاں عجزِ شاعرانہ کا وہ عالم ہے جو کسی نومشق لڑکے ہی کو زیب دیتا ہے، یا اناڑی شاعر کے لیے زیبا ہے۔

ع بھڑکائی جمیلہ مادر اُس کی

ع بیدار کیا وہ ماہ پیکر

ایسے مصرع اُس شاعر کے قلم سے عجیب معلوم ہوتے ہیں، جو بالعموم ایسے شعر کہتا ہو جن کی چستیِ بندش اور حُسنِ بیان کی قسم کھائی جاسکتی ہو۔ ایسے مقامات پر سندِ ثبوت لے کر وکالت کے لیے کھڑا ہونا، بقولِ شخصے، انصاف کی جان پر ستم کرنا ہے۔

ماں سے بولی کہ حُسن آرا! وہ شکر گزار روح افزا

احساں کا عوض نہیں جُز احساں واجب ہے ادائے حقِ مہماں

بیٹی کا ماں کو اس طرح نام لے کر مخاطب کرنا، کہاں کی رسم ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں چوک ہوئی۔

ع سیاح کو کیا قیام سے کار شبنم نہیں جاگزینِ گُل زار

یہاں محض قافیے کی رعایت نے "کار" کو بٹھایا ہے۔ حالانکہ اس لفظ کا یہاں وجود بہ لحاظِ محاورہ محلِ نظر ہے۔ ایسے بعض مقامات اور بھی ہیں، لیکن محاسن کے مقابلے میں معائب اس قدر کم ہیں کہ انھیں پسندیدگی کے راستے کا پتھر نہیں بننا چاہیے۔ البتہ ایسے مقامات پر التزام کے ساتھ طلبہ کو سمجھا ضرور دینا چاہیے کہ صورتِ حال کیا ہے۔ غلطی کو پسندیدگی کے راستے میں نہیں آنا چاہیے لیکن اس کا اپنا وجود اس سے ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کا حساب کتاب ضرور رہنا چاہیے۔ اس کے بغیر بھی توازن تباہ ہو سکتا ہے۔

نسخۂ جامعہ کی بنیاد اس مثنوی کے پہلے اڈیشن پر رکھی گئی ہے، جس کا ذکر کیا جاچکا ہے (مطبوعۂ مطبعِ میر حسن رضوی)، یہ نسخہ کم یاب ہے، میرے علم میں اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے،

اسی نسخے سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نسخۂ چکبست بھی پیشِ نظر ہے۔ یہ نسخہ بھی اسی لائبریری میں محفوظ ہے۔ چکبست کے یہاں بعض مقامات پر اولین اڈیشن سے انحراف پایا جاتا ہے۔ بعض جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ دانستہ لفظ کو بدل دیا گیا ہے یا دوسرے رائج نسخوں کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ نسخۂ جامعہ میں اشاعتِ اوّل کے متن کو اختیار کیا گیا ہے اور سختی کے ساتھ اس کی پابندی کی گئی ہے۔ اشاعتِ اوّل صریحی اغلاطِ طباعت سے خالی نہیں۔ ان صریحی اغلاطِ طباعت کی تصحیح مختلف قدیم نسخوں کی مدد سے کی گئی ہے جن میں مطبعِ مصطفائی کا نسخہ مطبوعہ ۱۲۶۴ھ اور مطبعِ نظامی کا نسخہ مطبوعہ ۱۲۶۸ھ قابل ذکر ہیں۔

نسخۂ جامعہ کی یہ تیسری اشاعت ہے۔ اشاعتِ اول میں بعض اغلاط باقی رہ گئی تھیں۔ اِس بار احتیاط کے ساتھ اُن کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ ایک تصحیح کا میں خاص طور سے ذکر کرنا چاہتا ہوں: ص ۶۹ پر ایک مصرع ہے: دانا تھی وہ جہل خانے آئی۔ پہلے "جہل" کو غلط الکاتب سمجھ کر "جیل خانے" رکھا تھا۔ سامنے کا لفظ تھا۔ اشاعتِ اوّل (نسخۂ مطبعِ میر حسن رضوی) میں "جیل خانہ" نہیں بلکہ "جہل خانہ" ہے۔ نسخۂ نظامی پریس میں بھی جہل خانہ ہی ہے۔ مخدومی مولانا امتیاز علی خاں عرشی (زاد مجدہ) نے میرے خط کے جواب میں اِس شعر کی تصحیح کے ذیل میں ارقام فرمایا کہ: "میری دانست میں جہل خانہ ہی درست ہے۔ جہل نے جیل کی شکل بعد میں اختیار کی ہے۔" یہ سچ ہے کہ بعد کے مطبوعہ نسخوں میں "جیل خانہ" ملتا ہے۔ اب غور کرنے پر خیال آیا کہ "دانا تھی" کی رعایت بھی جہل خانے کی مقتضی ہے اور یہ نسیمؔ کا خاص انداز ہے، ورنہ یوں یہ لفظ یہاں محض بے کار ہے۔ اب اس لفظ کو "جہل خانہ" بنا دیا گیا ہے۔ سچ ہے: جای استاد خالیست۔ متعدد اشعار کی تصحیح کے ذیل میں عرشی صاحب قبلہ نے زحمت گوارا فرمائی۔ شکریہ کیا ادا کروں، مولانا میرے بزرگ ہیں نیازمندی کا اقتضائے ہے کہ خاموشی کے ساتھ اُن کے احترام میں سر جھکا دوں۔ اِس زمانے کے اکثر ادبیات پر کام کرنے والے مولانائے موصوف کے احسانوں سے گراں بار ہیں اور اُن کے نیازمند۔ مجھے توقع ہے کہ یہ نظرِ ثانی شدہ متن پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری — ثمرہ ہے قلم کا حمدِ باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر — حمدِ حق و مدحتِ پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے — یعنی کہ مُطیعِ پنجتن ہے
ختم اِس پہ ہوئی سخن پرستی — کرتا ہے زُباں کی پیش دستی

خواستگاری جنابِ باری سے مثنوی گل زارِ نسیم کی ترتیب کے واسطے:

یارب! مرے خامے کو زُباں دے — مِنقارِ ہزار داستاں دے
افسانہ گُلِ بکاولی کا — اُفسوں ہو بہارِ عاشقی کا
ہر چند، سُنا گیا ہے اِس کو — اُردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے؛ دادِ نظم دوں مَیں — اُس مَے کو دو آتشہ کروں مَیں
ہر چند اگلے جو اہلِ فن تھے — سُلطانِ قلمروِ سُخن تھے
آگے اُن کے فروغ پانا — سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر، بحرِ سخن سدا ہے باقی — دریا نہیں کارِ بندِ ساقی
طعنے سے زُبانِ نُکتہ چیں روک — رکھ لے مری اہلِ خامہ میں نوک

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر — نیرنگِ نسیم باغِ کشمیر
نقطے: ہوں سپندِ خوش بیانی — جدول: ہو حصارِ سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے — مرکز پہ کشش مری پہنچ جائے

داستان تاجُ الملوک شاہ زادے اور زینُ الملوک بادشاہِ مشرق کی:

رُو دادِ زمانِ باستانی — یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ — سُلطاں زینُ الملوک، ذی جاہ
لشکرکش و تاجدار تھا وہ — دُشمن کُش و شہریار تھا وہ
خالق نے دیے تھے چار فرزند — دانا، عاقل، ذکی، خرد مند
نقشا ایک اور نے جمایا — پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
اُمّید کے نخل نے دیا بار — خورشیدِ حمل ہوا نمودار
وہ نور کہ صدقے مہرِ انور — وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر
نورِ آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو — چشمک تھی نصیب اُس پدر کو
خوش ہوتے ہی طفلِ مہ جبیں سے — ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو — پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفلِ ابتر — مانندِ سرشکِ دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا — پُتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
تھا افسرِ خسرواں وہ گلفام — پالا تاجُ الملوک رکھ نام
جب نامِ خدا جواں ہوا وہ — مانندِ نظر رواں ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ — نظّارہ کیا پدر نے ناگاہ
صاد آنکھوں کے دیکھ کر پسر کی — بینائی کے چہرے پر نظر کی
مُہرِ لبِ شہ ہوئی خموشی — کی نورِ بصر سے چشم پوشی

دی آنکھ جو شہ نے رُونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
ہر چند کہ بادشہ نے ٹالا — اُس ماہ کو شہر سے نکالا
گھر گھر یہی ذِکر تھا، یہی شور — خارِج ہوا نورِ دیدۂ کور
آیا کوئی لے کے نسخۂ نُور — لایا کوئی جا کے سُرمۂ طُور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
ہوتا ہے وہی، خدا جو چاہے — مختار ہے، جس طرح نباہے

جانا چاروں شاہزادوں کا بہ تجویزِ کحّال تلاشِ گُلِ بکاولی کو:

پایا جو سفیدِ چشم صفحا — یوں مِیلِ قلم نے سُرمہ کھینچا
تھا اک کحّال پیرِ دیریں — عیسیٰ کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مردِ خُدا بہت کراہا — سلطاں سے ملا، کہا کہ شاہا!
ہے باغِ بکاولی میں اک گُل — پلکوں سے اُسی پہ مار چنگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی — ہے رہبر گیا اُسی چمن کی
اُس نے تو گُلِ اِرم بتایا — لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار — رُخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ — لشکر، اسباب، خیمے، خرگاہ
وہ بادِ یہ گردِ خانہ برباد — یعنی تاجُ المُلوکِ ناشاد
میدان میں خاک اڑا رہا تھا — دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
پوچھا: تم لوگ خَیل کے خَیل — جاتے ہو کدھر کو صورتِ سَیل؟
بولا لشکر کا اک سپاہی: — جاتی ہے اِرَم کو فوجِ شاہی
سلطاں زَینُ المُلوکِ شہ زور — دیدارِ پسر سے ہو گیا کور
منظور علاجِ روشنی ہے — مطلوب گُلِ بکاولی ہے
گُل کی جو خبر سُنائی اُس کو — گلشن کی ہَوا سمائی اُس کو

ہمرہ کسی لشکری کے ہو کر — قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہ زادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے:

نُقطوں سے قلم کی مُہرہ بازی — یوں لاتی ہے رنگِ بدطرازی
یک چند پھرا کیا وہ انبوہ — صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بُلبُل ہوئے سب ہزار جی سے — گُل کا نہ پتا لگا کسی سے
وارِد ہوئے اک جگہ سرِ شام — فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر — ٹھٹکے سیّارے کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے — جُویائے گُل، اُس طرف سدھارے
دلبر نام ایک بیسوا تھی — اُس ماہ کی واں محل سرا تھی
دروازے سے فاصلے پہ گھر تھا — نقّارہ، چوبدار، در تھا
بے جا و بجا نہ سمجھے اَن جان — نقّارہ بجا کے ٹھہرے نادان
آواز پہ وہ لگی ہوئی تھی — آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مال دار پاتی — باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بہلا کے، جُوے کا ذِکر اُٹھا کر — چوسر میں وہ لُوٹتی سراسر
جیت اُس کی تھی، ہاتھ جو کچھ آتا — اُس کا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
بلّی کا سر، چراغ داں تھا — چوہا، پاسے کا پاسباں تھا
اُلٹاتے اَڑی پہ قسمت آسا — بلّی جو، دِیا؛ تو موش، پاسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں — قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں
صیّاد نی، لائی پھانس کر صید — کُرسی پہ بٹھائے نقشِ اُمّید
گھاتیں ہوئیں دل رُبائیوں کی — باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اُس کا جما، تو لا کے چوسر — کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی، یہ میل سمجھے — بازی چوسر کی کھیل سمجھے

مغرور تھے مال و زر پہ، کھیلے ۔ ساماں ہارے، تو سَر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جُوا تھا ۔ بندہ ہونا، بَدا ہوا تھا
دو ہاتھ، ہیں چاروں اُس نے لُوٹے ۔ پنجے میں پھنسے، تو چھکّے چھُوٹے
ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا ۔ پَو پھٹتے ہی، جُگ اُن کا ٹوٹا
زنداں کو چلے مچل مچل کر ۔ نَردوں کی طرح، پھرے نہ چل کر
لشکر ہیں سے جو گیا سوئے شہر ۔ پانی سا پھرا نہ جانبِ نہر

جیتنا تاج المُلوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاشِ گُلِ بکاولی میں:

لانا زرِ گُل، جو ہے اِرَم سے ۔ یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے
وہ ریگِ رواں کا گردِ لشکر ۔ یعنی، تاجُ المُلوکِ ابتر
حیران ہوا کہ یا الٰہی ۔ لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی!
اُٹھا کہ خبر تو لیجے چل کر ۔ گزرا درِ باغ بیسوا پر
حیران تھا یہ بلند پایہ ۔ نکلی اندر سے ایک دایہ
لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُس کا ۔ ہم شکل یہ مہ لقا تھا اُس کا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا؟ ۔ فرزند اسی شکل کا تھا میرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد ۔ طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دل گیر ۔ مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُس کو ۔ گھر لائی ہنسی خوشی سے اُس کو
چلتے تھے اُدھر سے دو جُواری ۔ ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
کہتے تھے: فریب دو گے کیا تم! ۔ شہ زادے نہ ہم، نہ بیسوا تم
ذکر اپنے برادروں کا سُن کر ۔ بولا وہ عزیز: سُن تو مادر!
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے ۔ شہ زادوں کو جس نے زِچ کیا ہے؟

بولی وہ کہ ہاں، جو ہے بدکام
دلبر، اک بیسوا ہے خود کام

بلّی پہ چراغ رکھ کے شب کو
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو

پاسے کی ہے کل، چراغ کے ساتھ
وہ بلّی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ

شہ زادے کہیں کے تھے بد اقبال
بندے ہوئے، ہار کر زر و مال

بھائی تھے، جوشِ خوں کہاں جائے
صدمہ ہوا، درد سے کہا: ہائے

پاسے کا، چراغ کا اُلٹ پھیر
سوجھا نہ اُنھیں؛ یہ دیکھو اندھیر

سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ
جیتے ہیں، تو جیت لیں گے ناگاہ

اک بلّی جھپٹی، چوہے کو بھانپ
نیولے نے بھگا دیا، دکھا سانپ

سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
نیولا پکڑ، آستیں میں پالا

چوسر ہی کے سیکھنے کو یکسر
گھوما وہ بہ رنگِ نرد گھر گھر

اک روز اُسے مل گیا امیر ایک
وہ صاحبِ جاہ، دل سے تھا نیک

اشراف سمجھ کے، لے گیا گھر
بخشا اُسے اسپ و جامہ و زر

اُس گُل کے جو ہاتھ میں زر آیا
جاں بازی کو سوئے دلبر آیا

ملتی تھی کھلاڑ، ڈنکے کی چوٹ
نقارہ و چوب میں، چلی چوٹ

آوازہ وہ سُن کے، در پر آئی
ہمرہ اُسے لے کے، اندر آئی

کام اُس کا تھا بس کہ کھیل کھانا
چوسر کا جما وہ کارخانا

وہ چشم و چراغ بیسوا کے
کرنے لگے تاک جھانک آ کے

نیولا وہ کہ مارِ آستیں تھا
چٹکی کے بجاتے ہی، وہیں تھا

بلّی تو چراغ پا تھی خاموش
بل، ہو گیا موش کو فراموش

ہنس ہنس کے، حریف نے رُلایا
مانندِ چراغ اُسے جلایا

بارے، یہ ہزار بد دماغی
لی خضر نے غول سے چراغی

پاسے سے چلی نہ جعل سازی۔
اُجڑی وہ، بسا بسا کے بازی

سب ہار کے نقد و جنس، بارے
جیتے ہوئے بندے، بد کے ہارے

بُنیاد جو کچھ تھی، جب گنوائی — تب خود وہ کھلاڑ ٹھہرے آئی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری — ہمّت کی طرح وہ دل سے ہاری
پاسے کی بدی ہے آشکارا — راجہ نَل، سلطنت ہے ہارا
دانا تو کرے کب اِس طرف مَیل — ہارا ہے جُوے کے نام سے بَیل
بارے، دیکھا جو بیسوا نے — بندہ کیا غیر کا خُدا نے
سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے — شادی کا مزہ نکال رہیے
بولی بہ ہزار عجز و زاری : — تم جیتے میاں، میں تم سے ہاری
لَونڈی ہوں، نہیں عُدول مجکو — خدمت میں کرو قبول مجکو
بولا وہ کہ سُن، یہ ہتھکنڈے چھوڑ — نقّارۂ در کو چوب سے توڑ
یہ مال، یہ زر، یہ جیتے بندے — یو نہیں یہیں رکھ بہ جنس چندے
بالفعل اِرَم کو جاتے ہیں ہم — اِنشاءُ اللہ آتے ہیں ہم
بولی وہ: سنو تو بندہ پرور! — گلزارِ اِرَم ہے پریوں کا گھر
انسان و پری کا سامنا کیا! — مُٹّھی میں ہوا کا تھامنا کیا!
شہزادہ ہنسا، کہا کہ دلبر! — کچھ بات نہیں، جو رکھیے دل پر
انسان کی عقل اگر نہ ہو گُم — ہے چشمِ پری میں جائے مَردُم
یہ کہ کے اُٹھا، کہا کہ لو جان! — جاتے ہیں؛ کہا: خدا نگہ بان
دولت تھی اگرچہ اختیاری — یا مُردی سے اُس پہ لات ماری
جُز جَیب، نہ مال پر پڑا ہاتھ — جُز سایہ، نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خُدا وہ — اللہ کے نام پر چلا وہ

پہنچنا تاج المُلوک کا سُرنگ کُھدوا کر باغِ بکاولی میں اور گُل لے کر پھرنا.

کرتا ہے جو طے سوادِ نامہ — یوں حرف ہیں نقشِ پائے خامہ

وہ دامنِ دشتِ شوق کا خار — یعنی، تاجُ المُلوکِ دل زار
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد — صحرائے عَدَم بھی تھا جہاں گرد
سایے کو، پتا نہ تھا شجر کا — عَنقا، تھا نام جانور کا
مُرغانِ ہَوا تھے ہوشِ راہی — نقشِ کفِ پا تھے ریگ ماہی
وہ دشت، کہ جس میں پُرتنگ و دَو — یا ریگِ رَواں تھی، یا وہ رہ رَو
ڈانڈا تھا اِرَم کے بادشا کا — اک دیو تھا پاسباں بَلا کا
دانت اُس کے: گورکَنِ قضا کے — دو نتھنے: رہِ عَدَم کے ناکے
سَر پر پایا بَلا کو اُس نے — تسلیم کیا قضا کو اُس نے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک — فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بے ریشہ یہ طفلِ نوجواں تھا — حلوائے دُود بے گُماں تھا
بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں — اللہ اللہ! شکر، احساں
شہ زادہ، کہ مُنہ میں تھا اَجَل کے — اندیشے سے رہ گیا دَہل کے
پَل مارنے کی ہوئی جو دیری — سُبحانَ اللہ، شان تیری!
اُشتُر کئی جاتے تھے اُدھر سے — پُر آرد و روغن و شکر سے
وہ دیو لپک کے مار لایا — غُرّاتے ہوئے شکار لایا
اونٹوں کی جو بُو نہیں دیو لایا — دَم اُس کا نہ اُس گھڑی سمایا
تیوراکے وہیں وہ باربردوش — بیٹھا، تو گرا! گرا، تو بے ہوش
چاہا اِس نے کہ مار ڈالو — یا بھاگ سکو، تو راستا لو
وہ اُونٹ تھے کاروانیوں کے — سب ٹھاٹ تھے میہمانیوں کے
مَیدا بھی، شکر بھی، گھی بھی پایا — خاطر میں یہ اُس بشر کی آیا
میٹھا، اِس دیو کو کھلاؤ — گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو
حلوے کی پکا کے اک کڑاہی — شیرینی دیو کو چڑھائی
ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا — حلوے سے کیا مُنہ اس کا میٹھا

کہنے لگا: کیا مزہ ہے دل خواہ — اے آدمی زاد، واہ وا واہ!
چیز اچھی کھلائی تو نے مجھکو — کیا اِس کے عوض میں دوں میں تجھکو؟
بولا وہ، کہ پہلے قول دیجے — پھر جو میں کہوں، قبول کیجے
وہ ہاتھ پہ اُس کے مار کر ہاتھ — بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
بولا وہ، کہ قول اگر یہی ہے — بدعہدی کی، پر، نہیں سہی ہے
گلزارِ ارم کی ہے مجھے دُھن — بولا کہ ارے بشر، وہ گلبُن!
خورشید کے ہم نظر نہیں ہے — اندیشے کا واں گزر نہیں ہے
واں موجِ ہوا! ہوا پہ اژدر — واں ریگِ زمیں، زمیں پہ اخگر
ہوتا نہ جو قول کا سہارا — بچتا نہ یہیں تو، خیر، ہارا
رہ جا، مرا بھائی ایک ہی اور — شاید کچھ اُس سے بن پڑے طَور
اک ٹیکرے پر گیا، بُلایا — وہ مثلِ صدائے کوہ آیا
حال اُس نے کہا، کہ قول ہارا — ہے پیر، یہ نوجواں، ہمارا
مشتاقِ ارم کی سیر کا ہے — کوشش کرو، کام خیر کا ہے
حمالہ نام، دیونی ایک — چھوٹی بہن اُس کی تھی بڑی نیک
خط اُس کو لکھا بہ ایں عبارت — اے خواہرِ مہرباں! سلامت
پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد — رکھیو اسے، جس طرح مری یاد
انسان ہے، چاہے کچھ جو سازش — مہمان ہے، کیجیو نوازش
خط لے کے، بشر کو لے اڑا دیو — پہنچا حمالہ پاس بے ریو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا — بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
اُس دیونی پاس اک حسیں تھی — زنبور کے گھر میں انگبیں تھی
محمودہ نام، دُخترِ آدم — لے آئی تھی، دے کے دیونی دم
جوڑا ہم جنس ہاتھ آیا — محمودہ کے گلے لگایا
دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ — دو وقت سے، شام کو ملے وہ

تھے ضبط و حیا کے امتحاں میں
پردہ رہا ماہ میں کتاں میں

آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ

بولا وہ فسردہ دل سحرگاہ :
کیا سرد ہوا ہے، واہ وا واہ!

بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
جو غنچے کو گل کرے، صبا ہے

بولا وہ : یہی تو چاہتا ہوں
گل پاؤں، تو میں ابھی ہوا ہوں

پیراہنِ گل کی بو تھی مطلوب
یوسف نے کہا وہ حالِ یعقوب

اوّل، کہی بدنگاہی اپنی
بعد اُس کے، وہ سب تباہی اپنی

کھولی تھی زباں منہ اندھیرے
کہتے سنتے اُٹھے سویرے

پوچھا حمّالہ نے : مری جان !
ہم جنس ملا، نکالے ارمان ؟

بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم
دل سرد رہا، بغل ہوئی گرم

ناکامی کے جب وہ طور سمجھی
وہم اُس کو ہوا، کچھ اور سمجھی

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے ؟
درماں ہے، کہ دردِ لادوا ہے ؟

بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن

وہ بولی : جو تو کہے زباں سے
تارے لے آؤں آسماں سے

چہرے کو چھپا کے زیرِ چادر
محمودہ نے کہا کہ مادر !

باپ اُس کا ہے اندھے پن سے مجہول
مطلوب بکاولی کا ہے پھول

دل داغ اُس کا برائے گل ہے
نرگس کے لیے ہوائے گل ہے

ساعی تھی بہ دل یہ کہنے والی
راہ اُس نے سرنگ کی نکالی

دیووں سے کہا کہ چوہے بن جاؤ
تا باغِ ارم سرنگ پہنچاؤ

سن حاجتِ نقب بہرِ گل گشت
کترا چوہوں نے دامنِ دشت

پوشیدہ زمیں کے دل میں کی راہ
حد باندھ کے، خوش پھرے اُسی راہ

جب بہر تہِ زمیں سمایا
اُس نقب کی رہ وہ آدم آیا

صحنِ چمنِ ارم میں اک جا
بوٹا سا تہِ زمیں سے نکلا

کھٹکا جو نگاہ بالوں کا تھا
دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا:

گوشے ہیں کوئی لگا نہ ہووے!
خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے!

گو، باغ کے پاسباں غضب تھے
خوابیدہ بہ رنگِ سبزہ سب تھے

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
سوسن کی زباں خُدا نے کی بند

خوش قد وہ چلا گل و چمن میں
شمشاد رواں ہوا چمن میں

ایوانِ بکاولی جدھر تھا
حوض، آئنہ دارِ بام و در تھا

رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب
چندے خورشید، چندے مہتاب

پھول اُس کا: اندھے کی دوا تھا
رشکِ جامِ جہاں نما تھا

پانی کے جو بُلبُلوں میں تھا گل
پہنچا لبِ حوض سے نہ چنگل

پوشاک اُتار، اُتر کے لایا
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا

گل لے کے بڑھا ایاغ بر کف
چوری سے چلا چراغ بر کف

بالا دری واں جو سونے کی تھی
سو خواب گہ بکاولی تھی

گُول اُس کے سُتوں تھے ساعدِ حُور
چلمن: مژگانِ چشمِ مخمور

دکھلاتا تھا وہ مکانِ جادو
محراب سے، در سے، چشم و ابرو

پردہ جو حجاب سا اُٹھایا
آرام میں اُس پری کو پایا

بند اُس کی وہ چشمِ نرگسی تھی
چھاتی کچھ کچھ کھُلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرمِ اُس قمر کی
بُرجوں پہ سے چاندنی تھی سَرکی

لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں
بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

چاہا کہ بلا گلے لگائے
سوتے ہوئے فتنے کو جگائے

سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے مُنہ میں اُنگلی دینی

یہ پھول، انھی اژدہوں کا ہے من
یہ کالے، چراغ کے ہیں دشمن

گل چھن کے، ہنسی نہ ہووے بالکل
خندہ، نہ ہو برقِ حاصلِ گل

پھر سمجھیں گے، ہے جو زندگانی
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی

انگشتری اپنی اُس نے بدلی
مُہرِ خطِ عاشقی سندلی

آہستہ پھرا وہ سَروِ بالا
سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا

ہیبت سا زمیں کے دل میں آیا
اندیشے کی طرح سے سمایا

جب نَقبِ اُفق سے مہرِ تاباں
نکلا، تو وہ ماہ رُو شتاباں

گُل ہاتھ میں مثلِ دستِ بیضا
اُس نَقب کی آستیں سے نکلا

وہ دیونی اور وہ دُختِ انساں
دونوں تھیں اُسی کی مُنتظر واں

گُل لے کے، جب آملا وہ گل چیں
اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاجُ المُلوکِ گُل چیں کی تلاش میں:

گُل کا جو اَلَم بہ چمن چمن ہے
یوں بُلبلِ خامہ نغمہ زن ہے

گل چیں نے وہ پھول جب اُڑایا
اور غنچۂ صبح کھل کِھلایا

وہ سبزۂ باغِ خوابِ آرام
یعنی، وہ بکاولی گُل اندام

جاگی مُرغِ سحر کے غُل سے
اُٹھی نکہت سی فرشِ گُل سے

مُنہ دھونے، جو آنکھ ملتی آئی
پُر آب وہ چشمِ حوض پائی

دیکھا تو وہ گُل ہَوا ہوا ہے
کچھ اور ہی گُل کِھلا ہوا ہے

گھبرائی کہ ہیں! کدھر گیا گُل !
جھنجھلائی کہ کون دے گیا جُل !

ہے ہے! مرا پھول لے گیا کون ؟
ہی ہی! مجھے خار دے گیا کون ؟

ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے
بُو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے

نرگس! تو دکھا، کدھر گیا گُل ؟
سَوسن! تو بتا، کدھر گیا گُل ؟

سُنبُل! مرا تازیانہ لانا
شمشاد! اِنھیں سُولی پر چڑھانا

تھرّائیں خواصیں صورتِ بید
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید

نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سَوسَن نے زباں درازیاں کیں

پتّا بھی پتے کو جب نہ پایا
کہنے لگیں: کیا ہوا، خدایا!

اپنوں میں سے پھول لے گیا کون؟
بے گانہ تھا سبزے کے سوا کون؟

شبنم کے سوا، چرانے والا
اوپر کا تھا کون آنے والا!

جس کف میں وہ گل ہو، داغ ہو جائے
جس گھر میں ہو، گل چراغ ہو جائے

بولی وہ بکاولی کہ افسوس!
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس

آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
پتلی وہی چشمِ حوض کا تھا

نام اس کا، صبا! نہ لیتی تھی میں
اس گل کی ہوا نہ دیتی تھی میں

گل چیں کا جو ہاتھ ہائے ٹوٹا
غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا!

او خار! پڑا نہ تیرا چنگل
مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل!

او بادِ صبا! ہوا نہ بتلا
خوشبو ہی سنگھا، پتا نہ بتلا

بلبل! تو چہک، اگر خبر ہے
گل! تو ہی مہک، بتا کدھر ہے!

لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام
تھی سبزے سے راست مو برآندام

انگلی لبِ جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بہ خود اس کی سن کے فریاد

جو نخل تھا، سوچ میں کھڑا تھا
جو برگ تھا، ہاتھ مل رہا تھا

رنگ اس کا غرض، لگا بدلنے
گل برگ سے کف لگی وہ ملنے

بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی
دست آویز اس کے ہاتھ آئی

خاتم، تھی نام کی نشانی
انسان کی دست برد جانی

ہاتھوں کو ملا، کہا کہ ہیہات!
خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات

جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
وہ ہاتھ لگے کہیں، خدایا!

عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے
کھال اس کی جو کھینچیے، سزا ہے

یہ کہہ کے، جنوں میں غضب ناک
خوں روئی، لباس کو کیا چاک

گل کا سا لہو بھرا گریباں
سبزے کا سا تار تار داماں

دکھلا کے، کہا سمن پری کو:
اب چین کہاں بکاولی کو!

تھی بس کہ غبار سے بھری وہ
آندھی سی اٹھی، ہوا ہوئی وہ

کہتی تھی پری، کہ اُڑ کے جاتی
گل چیں کا کہیں پتا لگاتی
ہر باغ میں پھُولتی پھری وہ
ہر شاخ پہ جھُولتی پھری وہ
جس تختے میں مثلِ باد جاتی
اُس رنگ کے گُل کی بُو نہ پاتی
بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے؟
پتا کہیں حکم بن ہلا ہے؟

پہنچنا تاجُ الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر، اور آزمانا گُل کا:

پھرنا جو وطن کا مُدّعا ہے
اب صفحے پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشنِ مُدّعا کا گُل چیں
یعنی، تاجُ الملوک حق بیں
جس وقت گُل اُس چمن سے لایا
محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی: لو، مُراد پائی
بولا وہ: جویاں سے ہو رِہائی
گُل کی وہ غرض کر آشکارا
جُو بن کی طرح اُسے اُبھارا
جب دیوِ سیاہِ شب سے مہتاب
رخصت ہوا، جیسے چشم سے خواب
اور گُل لیے آفتابِ تاباں
ہنگامِ سحر ہُوا شتاباں
وہ مہرِوش، اور وہ ماہ پیکر
اُس دیونی پاس آئے مُضطر
گُل کی وہ غرض جتائی اُس کو
رُخصت کی طلب سُنائی اُس کو
کیا کہتی وہ دیونی، کہا: جاؤ
دیوؤں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دو بال دیے، کہ لومری لاگ
جب وقت پڑے، دکھائیو آگ
دیو، اُن کو سَریر پر بِٹھا کے
پرواز کُناں، ہوا پہ جا کے
بولے کہ کدھر چلو گے؟ کہ دو
فِردوس کے رُخ، کہا، اِدھر کو
وہ مُڑ کے، اُدھر کو اُڑ کر آئے
گلزار میں بیسوا کے لائے
وقتِ سحر اور خُنک ہُوا تھی
گُل گشتِ چمن میں بیسوا تھی
چار آنکھیں ہوئیں، تو تھی شناسا
قدموں پہ گری وہ سایہ آسا

صدقے ہو کر کہا: خوش آئے
جس گُل کی ہَوا لگی تھی، لائے؟

ہمراہ یہ کون دوسری ہے؟
سایہ ہے کہ ہم قدم پری ہے!

بولا شہزادہ: شُکر ہے، ہاں
پُر ہے گُلِ آرزو سے داماں

محمودہ نام یہ جو ہیں ساتھ
پھول اِن کے سبب سے آگیا ہاتھ

جیتا جو پھرا وہ رشکِ شمشاد
قیدی کیے بیسوا نے آزاد

شہزادے نے بھائیوں کے بے نام
بھجوایا برائے داغ پیغام

جُھوٹوں، اُس نے تھا اِن کو تایا
سچّوں، کھوٹوں نے داغ کھایا

داغا، تو چلے تفنگ سے وہ
چھوٹے قیدِ فرنگ سے وہ

چھوڑا ہوسِ گل و چمن کو
چاروں داغی پھرے وطن کو

بندوں کو کیا جب اُس نے آزاد
آیا لبِ جُو وہ رشکِ شمشاد

اسباب کو کشتیوں پہ کر بار
سونپا سب ناخدا کو گھر بار

جب مُتّصِل آگیا وطن کے
کھٹکے یاد آئے مردوزن کے

سوچا کہ میں خود ہوں خانہ برباد
کیا جانیے کیا پڑے گی اُفتاد

لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھیے
موقع نہیں بھیڑ ساتھ رکھیے

لنگر کا اُنھیں کیا اشارہ
خود کشتی سے کر گیا کنارہ

وہ پُوربی، کرکے جُوگیا بھیس
جنگلے کی راہ سے چلا دیس

تکیے پہ فقیرِ پیر، اندھا
اک گوشے میں آنکھیں مانگتا تھا

تھا نقشِ قدم سا خاکِ رہ پر
ٹھہرا وہ مسافر اُس جگہ پر

بے تجربہ تھی نمایشِ گل
واجب تھی آزمایشِ گل

پُتلی پہ زرِ گل آزمایا
سونے کو کسوٹی پر چڑھایا

گل سے ہوئیں چشمِ کور تاباں
ہو جیسے چراغ سے چراغاں

مُنہ دیکھ کے اُس نے دیں دُعائیں
پنجے سے مژہ کے لیں بلائیں

گل کے جو اثر سے شادماں تھا
گل چیں وہ ہوا سے ہم عناں تھا

مِلنا چاروں شہزادوں کا اور چھِن جانا گُلِ بکاولی کا تاجُ الملوک سے اور بینا ہونا چشمِ زینُ الملوک کا:

ہے بس کہ یہ چرخ جور پیشہ — یوں خارِ رہِ قلم ہے ریشہ
یہ جا کے، اُسی جگہ یہ ناگاہ — آ پہنچے وہ چاروں غولِ گمراہ
کہتے تھے کہ واہ رے مُقدّر! — کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کیا رنگ زمانے نے دکھائے — گُل لینے گئے تھے، داغ لائے
کس مُنہ سے پدر کے آگے جائیں — کیوں کر بے پھول مُنہ دِکھائیں
ٹھہرائی کہ اور پھول لے جائیں — کحّال کو بے وقوف ٹھہرائیں
اک بادِ ہوائی توڑ کر پھول — کہنے لگے پھول پھول کر غول:
کیا پھول ہے، کیا اثر ہے اِس میں! — ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
وہ کور، کہ ہو چکا تھا بینا — دیکھا اُس نے جو یہ قرینا
بولا کہ یہ گُل، وہ گُل نہیں ہے — اُس پھول کی اور گُل زمیں ہے
وہ جوگی جو جانتے ہیں، اگر آئیں — دکھلائیں وہ گُل، تو آنکھیں کھُل جائیں
میں کور ابھی ہو چکا ہوں بینا — اندھا نہیں، اب ہوا ہوں بینا
چاروں کو تھی حسرتِ گُلِ تر — جُو یائی ہوا کی طرح چل کر
اُس جُوگی کے جب برابر آئے — باہم کہا: دیکھو، پھول لائے
گُل ہے کہ علاجِ نور ہے یہ — گُل ہے کہ چراغِ طور ہے یہ
جوگی، یعنی وہ شاہزادہ — بولا کہ بکو نہیں زیادہ
پاتے اگر اُس درخت کی چھانو — رکھتے ہی نہ تم زمین پہ پانو
ڈینگ آپ کی سب فضول ہے یہ — وہ گُل، یہ نہیں؛ وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے، جو جیب سے نکالا — اُن مُفت بَروں نے ہاتھ ڈالا
قوّت میں، وہ چار تھے، یہ بے کس — شورش میں وہ چار موج، یہ خس

غنچوں نے بہ زور پھول اُڑایا
اُس خضر کو راستا بتایا

گُل پانے سے بس کہ سُرخ رُو تھے
گھوڑوں پہ ہوا کے مثلِ بُو تھے

تعجیل سے روبہ راہ آئے
گُل لے کے، حضورِ شاہ آئے

گُل لائے جو نورِ دیدۂ دل خواہ
آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ

پنجے سے پلک کے پھول اُٹھایا
اندھے نے گُل آنکھوں سے لگایا

نور آگیا چشمِ آرزو بیں
آیا پھر آبِ رفتہ جُو میں

خورشیدِ بصر گہن سے چھوٹا
خیرات کے در کا قُفل ٹوٹا

دولت جو پاس تھی، لُٹائی
زر بخشا گُل کی رُونمائی

ایک ایک کو اِس قدر دیا زر
محتاج، گدا، ہوئے تونگر

سجوائے طرب کے کارخانے
بجوائے خوشی کے شادیانے

پہنچنا بکاولی کا دارالخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا:

گُل چیں کا جواب پتا ملا ہے
یوں شاخِ قلم سے گُل کھِلا ہے

وہ بادِ چمن چمن خراماں
یعنی، وہ بکاولی پریشاں

گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی
اُس شہر میں آتے آتے آئی

دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے
گُل چیں کے شگوفے کھِل رہے تھے

گلبانگ زناں تھا، جو جہاں تھا
ایک ایک ہزار داستاں تھا

پاتے ہی پتا، خوشی سے پھولی
شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی

جادو سے بنی وہ آدمی زاد
انسانوں میں آملی پری زاد

سلطاں کی سواری آرہی تھی
صورت جو نگاہ کی، پری تھی

پوچھا: اے آدمِ پری رُو
انساں ہے، پری ہے، کون ہے تو!

کیا نام ہے، اور وطن کدھر ہے؟
ہے کون سا گُل، چمن کدھر ہے؟

دی اُس نے دعا، کہا بہ صد سوز
فرّخ ہوں، شہا! میں ابنِ فیروز

گُل ہوں، تو کوئی چمن بتاؤں
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں!

گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجے چھوڑے گانو کا نام

پوچھا کہ سبب؟ کہا کہ قسمت
پوچھا کہ طلب؟ کہا: قناعت

باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
لایا بہ صد امتیاز ہم راہ

چہرے سے امیر زادہ پایا
گھر لا کے، وزیر اُسے بنایا

نذریں لیے بندگانِ درگاہ
دستور سے آ ملے بہ صد جاہ

دربار میں چاروں شاہ زادے
دیکھے، تو کھلے وہ دل کے سادے

چاہا، گُل بچیں کا امتحاں لے
پوچھا کہ نگیں جو لے، کہاں لے؟

بتلانے لگے وہ چاروں ناداں
کوئی یمن اور کوئی بدخشاں

جانا کہ جو گُل یہ لائے ہوتے
خاتم کے نگیں بتائے ہوتے

تجویز میں تھا یہ صاحبِ فکر
آیا تاجُ الملوک کا ذِکر

نقش اِس کو ہوا کہ بس وہی ہے
اِن سادوں سے کندہ کب ہوئی ہے

ظاہر نہ کیا بطون اپنا
طالع سے لیا شگون اپنا

منزل گہِ رہ رواں بنا کے
شام و سحر اُس میں آپ آ کے

رہ رو کو دیا بہ لطف و اکرام
آتے آرام، جاتے پیغام

آباد ہونا تاجُ الملوک کا گلشنِ نگاریں بنوا کے، اور شہرہ ہونا:

تعمیرِ مکاں کے ہیں جو آثار
یوں خامہ ہے بہرِ بیت، معمار

شہ زادہ کہ عازمِ وطن تھا
گُل پانے سے، خوش چمن چمن تھا

اندھے کو کیا جب اُس نے بینا
اور داغیوں نے وہ پھول چھینا

سوچا کہ خوشی خدا کی، غم کھاؤ
حمّالہ دیونی کو بلواؤ

نقلِ ارم اک مکاں بنا کے / رکھو پریوں کو اپنی لا کے
بال آگ پہ رکھتے، آندھی آئی / وہ دیونی، بال باندھی آئی
تنہا اُسے دیکھ کر، کہا: ہیں! / محمودہ کیا ہوئیں؟ کہا: ہیں
دریا پہ ہوں اُن کو چھوڑ آیا / مسکن کے لیے تمھیں بلایا
لیکن وہ مکاں، وہ حوض، وہ باغ / جو باغِ بکاولی کو دے داغ
حمّالہ نے دیووں کو کیا یاد / آئے، تو کہا: یہ بَن، ہو آباد
ویرانے کو گل زمیں بناؤ / گلزارِ جواہریں بناؤ
صنّاعِ طلسم کار تھے وہ / گلشن کے لیے، بہار تھے وہ
دیووں نے اِدھر محل بنایا / کشتی سے وہ دُختِ رز کو لایا
حمّالہ، اُس کی مادرِ پیر / محمودہ سے ہوئی بغل گیر
کچھ دیووں کو چھوڑ کر وہیں پر / رُخصت ہو کر چلی گئی گھر
گلشن میں سمن بروں کو لایا / نسریں بدنوں سے گھر بسایا
دونوں کو محل میں لا کے رکھا / پھل نخلِ مُوا صلت کا چکھا
دیووں کو کہا کہ بہرِ تمکیں / آباد ہو گلشنِ نگاریں
دیو، آدمی بن کے بَن میں آئے / آتے جاتے کو گھیر لائے
جو سُن کے خبر گیا اُدھر کو / جنّت سے وہ پھر پھرا نہ گھر کو
از بسکہ قریب شہر تھا باغ / خورشیدِ اُفق نظر پڑا باغ
مفلس، زردار، امیر، قلّاش / نوکر، تاجر، فقیر، خوش باش
گھر چھوڑ کے، چل بسے سب انساں / پھر تن میں نہ آئے صورتِ جاں

ملاقات ٹھہرنی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا جواہر آگیں / یوں صفحہ قلم سے ہے نگاریں

ساعِد نام ایک مہ لِقا تھا — دلبر کا غلام باوفا تھا
صحرا سے جو سیر کر کے آیا — لکڑی کے پُچکا کے بوجھ لایا
دلوائے ہر ایک کو پئے قُوت — اَلماس و عقیق و لعل و یاقوت
تھی بس کہ وہ جا خُلاصۂ دہر — کچھ ٹھہرے، کچھ آئے جانبِ شہر
کف میں جو وہ لعلِ بے بہا تھے — مُن پاتے ہی، لوگ اژدہا تھے
شحنے نے سُنا، پکڑ بُلایا — لے کر اِظہار، ساتھ آیا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہِ اُمّید — اِک دائرہ تھا بہ رنگِ خورشید
دروازے پہ دیووں کا تھا پہرا — بھجوا کے خبر، وہ شحنہ ٹھہرا
جب واں سے طلب ہوا نوِدرباں — لائے اُسے پیش گاہِ سُلطاں
آداب کیا، ادب سے ٹھہرا — ہیبت زدہ دُور سب سے ٹھہرا
اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہم راہ — معروض کیا کہ یا شہنشاہ!
کم مایہ یہ لوگ ہیں بہ ظاہر — چوری کے تو یہ نہیں جواہر!
ساعِد نے کہا کہ ہے یہ حاسِد — نیّت ہوئی ہوگی اِس کی فاسِد
حضرت! یہ وہی تو ہیں تبرّدار — جا اِن سے نہ بولیو، خبردار!
پھر کر اُنھیں پالو شحنہ بے آس — آیا زینُ الملوک کے پاس
کی عرض کہ باغ اِک بنا ہے — یہ شہر اُجڑا ہے، وہ بسا ہے
جو کوئی ہے اُس جگہ پہ جاتا — ڈھیروں ہے جواہرات پاتا
حضرت نے کہا کہ بک نہ خیرہ — قاروں کا دہیں ہے کیا ذخیرہ!
فرّخ کہ وزیرِ باخرد تھا — سلطاں کا مُشیرِ نیک و بد تھا
بولا کہ شہا! یہ بات کیا ہے — نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
ہر چند کہ طُرفہ حال ہے یہ — کچھ دُور نہیں، مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بن جانے کی دیو کے جادو سے

اک مُلک میں ایک صاحبِ فوج — رکھتا تھا محل میں بار وَر زَوج
تھا داغِ پسر مُقدّر اُس کو — جَنتی تھی ہمیشہ دُختر اُس کو
از بسکہ وہ شاہ تھا بداختر — کرتا تھا حسد سے قتلِ دُختر
اک بار محل میں پھر حَمل تھا — وہ شاہ کہ ظلم میں مَثَل تھا
کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری — بیٹا جو نہ دے جنابِ باری
اِقبال کا کچھ نہ جانیے اَوج — کر ڈالیے ذَبح دُختر و زَوج
کنیا تھی غرض کہ راس اُس کی — پوری نہ ہوئی وہ آس اُس کی
سُلطاں کا جو عہد بے خَلَل تھا — گھر والوں کو خوف کا مَحل تھا
ملحوظ بہ دِل تھا پردۂ راز — سَیّارہ شناسوں سے کیا ساز
ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند — تھی چاندنی، شہرہ کر دیا چاند
بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے — گویا ہوئے دست بستہ آکے
حضرت! یہ پسر ہے نیک اختر — بدشگُن مگر ہے ایک اختر
جب تک نہ چلے یہ اپنے پانوں — حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
حیلہ کرکے چھپائی یک چند — بے تاب ہوا جب آرزومند
وہ گندُم جَو نُما تھی بالی — مردانہ لباس سے نکالی
خوش ہو کے پدر نے، بہرِ شادی — ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی
بَن ٹھن کے عَروس، شکلِ داماد — شادی کی [illegible] جانِ ناشاد

۱؎ نسخۂ مصطفائی میں اس شعر کے بعد یہ شعر بھی ہے ؎

پھر اہلِ نجوم محرمِ راز — بالائے ملک سے [illegible] ساز

نسخۂ میر حسن اور نسخۂ چکبست اس شعر سے خالی ہیں۔

اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے
اور روزِ نکاح تھا سویرے

خیمے سے وہ بے قرار نکلی
اُس چھالے سے مثلِ خار نکلی

دیکھا تو اندھیری رات سُنسان
اک عالَمِ ہُو ہے اور بیابان

اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا
جویائے شکار دشت میں تھا

دیکھا، تو کہا: خضر ملے، آؤ
مُنہ کھولو، عدم کی راہ بتلاؤ

بولا وہ کہ سُن تو آدمی زاد!
کیوں تنگ ہے جی سے؟ کیا ہے بیداد؟

اے مردِ خدا! خُدا کی سوگند
کہ، جس لیے ہو تو آرزومند

بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
خنجر کا ہو کیا نیام سے کام

کہہ کر کھُلے بندوں جی کی تنگی
بے ننگ ہوئی وہ شوخ، ننگی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا
تو کیا کھُلی، پردہ تونے کھولا

خاطر تری، لے، طلسم دکھلاؤں
تو مجھ سی بنے، میں تجھ سا بن جاؤں

موند آنکھ، کہا، تو موند لی آنکھ
کھول آنکھ، کہا، تو کھول دی آنکھ

پائے مردانگی کے پَر تُو
دامن میں سے دی چراغ نے لَو

تھالے میں یہاں اُگا صنوبر
واں شیشہ رہا تُرُش کے ساغر

اب یاں سے ہے قصّہ مختصر، طُول
فرخ کہ وہ تھا وزیرِ معقول

بولا کہ شہا! جو یہ ہوا ہے
اِس بات کا پھر وُجود کیا ہے

شہ نے کہا: سُن وزیرِ دانا
بے دیکھے، سُنے کو کس نے مانا؟

یاد آئی مجھے بھی اک روایت
یہ کہہ کے، بیان کی حکایت

حکایت نصیحت گریِ مرغِ اسیر و نافہمیِ صیّاد کی:

اک مرغ ہوا اسیرِ صیّاد
دانا تھا، وہ طائرِ چمن زاد

بولا، جب اُس نے باندھے بازو
کھُلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو؟

بیچا، تو ٹکے کا جانور ہوں
گر ذبح کیا، تو مُشتِ پر ہوں

پالا، تو مُفارقت ہے انجام — دانا ہو، تو مجھ سے لے مرے دام
بازو ہیں نہ تو مرے گرہ باندھ — سمجھاؤں جو پند، اُسے گرہ باندھ
سُن، کوئی ہزار کچھ سُنائے — کیجے وہی جو سمجھ میں آئے
قابو ہو، تو کیجیے نہ غفلت — عاجز ہو، تو ہاریے نہ ہمّت
آتا ہو، تو ہاتھ سے نہ دیجے — جاتا ہو، تو اُس کا غم نہ کیجے
طائر کے یہ سُن کلام صیّاد — بن داموں ہوا غُلام صیّاد
بازو کے جو بند کھول ڈالے — طائر نے تڑپ کے پَر نکالے
اِک شاخ پہ جا، چہک کے بولا — کیوں، پَر مرا کیا سمجھ کے کھولا؟
ہمّت نے مری، مجھے اُڑایا — غفلت نے تری، مجھے چُھڑایا
دولت نہ نصیب میں تھی تیرے — تھا لعل نِہاں شِکم میں میرے
دے کر صیّاد نے دِلاسا — چاہا، پھر کچھ لگائے لاسا
بولا وہ کہ دیکھ، کر گیا چُغل — طائر بھی کہیں نگلتے ہیں لعل؟
اَربابِ غرض کی بات سُن کر — کر لیجیے یک بیک نہ باور
فرّخ! یہ وہی مَثَل نہ ہوئے — دیکھ آ، جو تجھے دُہَل نہ ہوئے
مشتاق تو تھا، چلا وہ دستور — دکھلائی دیا وہ بُقعۂ نُور
نقشے ہیں وہ گلشنِ نگاریں — گلزارِ اِرَم سے تھا خوش آئیں
حیرت تھی کہ یہ طِلسم کیا ہے — پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے!
اِس سوچ میں تختگہ تک آیا — حیراں وہ وزیر، شہ تک آیا
آداب اِک کر کے حسبِ دستور — ٹھہرا، تو وہ بادشاہِ مستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے — کیا جانے کہ خود بکاولی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے، کیا نام؟ — بولا وہ کہ نام سے ہے کیا کام
انسان ہوں، بندۂ خُدا ہوں — بھیجا زَینُ المُلوک کا ہوں
گُستاخی مُعاف، آپ آئے — بَن گھیر لیا، مکاں بنائے

بہکا کے بسائے مردُمِ شہر — حضرت کا بڑا ہے آپ پر قہر
دعوا یہ ہے: یاں زمیں دبائی — آبادی میں آئی ہے خرابی
خیر، اب بھی رفعِ شر جو چاہو — سر آنکھوں سے چل کے جُبہہ سا ہو
بولا وہ کہ فتنہ گر نہیں ہم — شر جن سے ہو، وہ بشر نہیں ہم
درویشی میں دل کے بادشاہیں — مسند کے تکیے پر گدا ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا — مثلِ دلِ بدگماں رُکا تھا
بولا: چلو صُلح درمیاں ہو — باہَم مَہ و مہر کا قِراں ہو
بولا وہ: فقیر کی بلا جائے — مُشتاق جو ہو، وہ شوق سے آئے
بولا وہ کہ خیر، تا بہ فردا — اُٹھ جائے گا درمیاں سے پردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر، آیا — پہنچا، تو وہ شہر خالی پایا
شہزادہ وشہ محل میں تھے واں — برہم زدہ بزم کے چراغاں
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا — فرّخ فرّخ پکار اُٹھا
سلطاں کے نثار ہو کے دستور — بولا کہ بلائے شاہ ہو دور!
دیکھ آیا میں وہ مکانِ یاقوت — ہے معدنِ لعل و کانِ یاقوت
تختہ ہے زمُرّد میں کہ مینو! — گلشن ہے جواہریں کہ جادو!
نقشہ کہوں کیا، نگار خانہ — جادو کا تمام کارخانہ
دیووں کی بنائی ہے وہ بُنیاد — رہنے والے ہیں آدمی زاد
واں صاحبِ تاج و تخت جو ہے — درویش ہے، شاہ نام کو ہے
دیو اُس کے عمل میں آ گئے ہیں — جادو کے محل بنا گئے ہیں
کل آپ بھی چل کے کیجیے سیر — وعدہ کر آیا ہوں، کہا: خیر

بھید کھُلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خامے سے وا شگاف یوں ہے — دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے

فرخ جو گیا، تو شاہزادہ
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کل زیادہ

رکھا آتش پہ دوسرا بال
حاضر ہوئی دیونی قوی بال

دعوت کی اُسے خبر سنائی
دیووں کے رخ اُس نے آنکھ اُٹھائی

ہم چشموں نے چیتون اُس کی تاڑی
پلکوں سے زمین بن کی جھاڑی

غولوں سے بھرا جو تھا بیاباں
پھولوں سے بنا دیا خیاباں

صنّاعی اُنھوں نے رات بھر کی
مشتاق نے واں وہ شب سحر کی

بجتے ہی گجر، وہ شاہِ ذی جاہ
چاروں شہ زادے لے کے ہمراہ

جو جو اُمرا تھے، سب بُلا کے
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے

مشرق سے رواں ہوا دلاور
جس طرح اُفق سے شاہِ خاور

بجلی سے جو زرق برق آئے
فرش، ابر کی طرح بچھتے پائے

دیکھا تو تمام دشت، گلزار
دائیں بائیں دو رستہ بازار

شہ کہتے تھے: دشت پُر خسک تھا
فرخ کہتا تھا: کل تلک تھا

غافل تھے کہ سبز باغ ہے یہ
اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ

تجویز رہے تھے سب کے سب دنگ
جادو، افسوں، طلسم، نیرنگ

اتنے میں سنا کہ، صاحبِ تاج
جتنا بڑھے، پیچھے سب ہوتا راج

کیا لشکری اور کیا شہنشاہ
سناٹے میں تھے کہ اللہ اللہ!

دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر
سب مَن کی ہوس سے ہوگئے سیر

شہ زادے نے آمد اُن کی پائی
کی تا درِ خانہ پیشوائی

دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں

ایوانِ جواہریں میں آئے
الماس کی شہ نشیں میں آئے

وہ چتر کے زیرِ سایہ بیٹھے
افسر سب پایہ پایہ بیٹھے

جو جو کہ تواضعات ہیں عام
لے آئے خواصِ نازک اندام

چکنی ڈلی، عطر، الایچی، پان
نقل و مے و جام و خوانِ الوان

رغبت سے اُنھیں کھلا پِلا کے
بولا شہ زادہ مُسکرا کے

اِس تاجِ شہی میں کے نگیں ہیں
کے نام و نشانِ دل نشیں ہیں؟

سُلطاں نے کہا بہ صد لطافت
یہ چار ہیں عُنصُرِ خلافت

اک اور ہوا تھا قابلِ خشم
وہ نورِ بصر تھا دشمنِ چشم

جب لائے یہ گُل بکاولی کا
نکلا تب خار روشنی کا

پوچھا اُس نے: وہ اب کدھر ہے؟
سلطاں نے کہا کہ کیا خبر ہے!

پوچھا شہ زادے نے کہ یا شاہ!
صورت سے ہے اُس کی کوئی آگاہ

ایک اُن میں سے چشم آشنا تھا
گو کہ اُسی شاہ زادے کا تھا

بولا کہ حضور اِدھر تو دیکھیں
دیکھا، تو کہا: مری نظر میں

صورت وہی، رنگِ رُو وہی ہے
لہجہ وہی، گفتگو وہی ہے

یہ سُنتے ہی اُس نے خندہ کر کے
سر پانو پہ رکھ دیا پدر کے

سر قدموں سے شاہ نے اٹھایا
فرزند کو چھاتی سے لگایا

لے لے کے بلائیں کاکُلوں کی
پیشانی چومی، پیٹھ ٹھونکی

عرض اُس نے کیا کہ دو پرستار
پابوسیِ شہ کی ہیں طلب گار

حضرت نے کہا: بلائیے، خیر
اُٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر

شہ زادے نے اک مکاں بتایا
ایک ایک اُٹھا، اُدھر کو آیا

سب اُٹھ گئے، پر وہ چاروں باغی
بیٹھے رہے فرشِ گُل پہ داغی

شہ زادہ اُٹھا، محل میں آیا
پردے تلک اُن کو ساتھ لایا

دلبر سے کہا: میں جب کہوں، آؤ
تو کہیو، یہ چاروں داغی اُٹھواؤ

در پردہ سِکھا کے، باہر آیا
بے پردہ حضورِ شہ بلایا

دلبر نے کہا: لجاؤں گی میں
قربان گئی، نہ آؤں گی میں

اُٹھ جائیں یہ چاروں سُست بنیاد
داغے ہوئے ہیں غلام، آزاد

چاروں کا جو سُنتے ہی اُڑا رنگ
یک بارگی شاہ ہو گیا دنگ

دکھلائی دیے جو بیٹے بے رُخ — دیکھا تاجُ الملوک کے رُخ
یاں دل پہ تھے داغ، واں سُریں پر — یاں نام پہ حرف، واں نگیں پر
وہ جُھل، وہ ہار، وہ غلامی — وہ گھات، وہ جیتنا تمامی
وہ دسترس اور وہ پایمردی — وہ بیکسی اور وہ دشت گردی
وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر — وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر
وہ سعی، وہ دیونی کی صحبت — محمودہ کی وہ آدمیت
تجویز کے وہ سُرنگ کی راہ — اور مُوش دَوانیاں وہ دل خواہ
وہ سیرِ چمن، وہ پھول لینا — وہ عزمِ وطن، وہ داغ دینا
وہ گور کے حق میں خضر ہونا — وہ غولوں سے مل کے پھول کھونا
وہ بال کو آگ کا دکھانا — وعدے پہ وہ دیونی کا آنا
وہ نزہتِ گلشنِ نگاریں — وہ دعوتِ بادشہ، وہ تمکیں
گزرا تھا جو کچھ، بیاں کیا سب — پنہاں تھا جو کچھ، عیاں کیا سب
انگشترِ پری دکھا کر — کھلوائی سُریں کی مُہرِ محضر
پہلے تو بہت وہ مُنہ چڑھے ڈھیٹھ — آخر داغی دکھا گئے پیٹھ
اُٹھوا کے اُنھیں، وہ دو خوش آئیں — پابوسیِ شہ کو سر سے آئیں
حضرت نے سمجھ کے حُسنِ خدمت — دونوں کو دیے خطاب و خلعت
زریں اُن دونوں نے دکھائیں — رخصت ہو کر محل میں آئیں
مسند سے شہ اُٹھ کے بے محابا — بولا بیٹے سے: جانِ بابا!
روشن کیا دیدۂ پدر کو — مادر کے بھی چل کے آنسو پونچھو
مشتاق کو رُو بہ راہ پایا — ہمرہ اُسے تا بہ خانہ لایا
ماں نے دیکھا جو وہ دلاور — اشکوں کے گُہر کیے نچھاور
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر — مانندِ سرشکِ چشمِ مادر
ہر خویش و یگانہ سے ملا وہ — پھر اپنی جگہ پہ آگیا وہ

غائب ہو جانا فرّخ یعنی بکاولی کا اور بلوانا تاجُ الملوک کو گلشنِ نگار میں سے اور متّفق ہو کر گلزارِ ارم میں رہنا

کُھلنے پہ جو ہے طِلسمِ تقدیر — اب خامے نے یوں کیا ہے تحریر
فُرّخ، وہ بادشہ کا دستور — یعنی وہ بکاولیِ مستُور
مطلوب کا سُن سمجھ کے سب حال — چاہی کہ نکالے کچھ پَر و بال
سوچی کہ دِلا! شتاب کیا ہے! — پھر سمجھیں گے، اِضطراب کیا ہے!
اُس وَضع کا پاس کر گئی وہ — تغییرِ لباس کر گئی وہ
فرُخ کہنے تک آدمی تھی — پھر وہ ہی بکاولی پَری تھی
غُربت سے چلی، وطن میں آئی — صحرا سے اُڑی، چمن میں آئی
پژمُردہ خواصوں میں پڑی جان — صدقے ہوئی کوئی، کوئی قُربان
اُس غُنچے میں اک سمن پری تھی — وہ ہم نَفَسِ بکاولی تھی
بولی: کہو، کیا کیا؟ کہا: خوب — بے کچھ کیے پھر بھی آتی! کیا خوب!
مانگا کاغذ، دوات، خامہ — لکھا گُل چیں کے نام نامہ
اے یوسفِ چشمِ زخمِ یعقوب — وے رشکِ برادرانِ منکوب
اے دلبرِ دلبرِ دغل باز — وے دِیو سوارِ عرش پرواز
اے آبِ تہِ زمینِ نیرنگ — وے نقب دوانِ باغِ گلرنگ
اے پردہ کشائے بے حجابی — وے دُزدِ حنائے دست یابی
اے رہ رَوِ رُو بہ رَہ نہادہ — وے صرصرِ گُل بہ باد دادہ
اے بے سر و برگ گلشن آرا — وے لعل نُمائے سنگِ خارا
اے بے خبرِ طِلسمِ صورت — وے بے بصرِ رُخِ ضرورت
اے باعثِ عزمِ میہمانی — وے صاحبِ بزمِ میزبانی
اے آئنہ دارِ خود نُمائی — وے سُرمۂ چشمِ آشنائی

اے پردہ کشائے روئے پنہاں / وے داغِ نمائے پُشتِ اِخواں
تو باغِ اِرم سے لے گیا گُل / تو مجھ سی پَری کو دے گیا جُل
بے رُخ ترے واسطے ہوئی ہیں / فرُخ ترے واسطے ہوئی ہیں
تجھ کو ترے باپ سے ملایا / مجھ کو یہ مِلا کہ تجھ کو پایا
جو جو اَسرار تھے نہانی / سب تجھ سے سُنے تری زبانی
کیا لُطف، جو غیر پردہ کھولے / جادو وہ، جو سر پہ چڑھ کے بولے
چاہا تھا، کروں سرے سے پامال / کر شکر، سمجھ، کہ تھا خوش اِقبال
کیا کہیے کہ صورت اور کچھ تھی / وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
اب تک ہیں وہ خار جی کے جی میں / جلد آکہ ہے مصلحت اسی میں
آئے گا، تو درگزر کروں گی / ورنہ، میں بہت سا شَر کروں گی
داغوں پہ دیے ہیں داغ تو نے / دِکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
کانٹوں میں اگر نہ ہو اُلجھنا / تھوڑا لکھا، بہت سمجھنا
پھر خط کی نہ ہو اُمیدواری / اَلقُط ہے قلم کی دوست داری
یہ لکھ کے، کہا سَمَن پری کو: / چالاک ہے تو ہی قاصدی کو
یہ خط، یہ انگوٹھی لے، ابھی جا / پُورب کی سَمت کو چلی جا
رستے میں ہے گلشنِ نگاریں / رہتا ہے وہیں مِرا وہ گل چیں
خاتَم کے نشاں سے، نامہ دیجو / ٹھہری رہیو، جواب لیجو
خط، خاتَم لے کے، وہ ہَوائی / پتّا ہوئی اور پتے پہ آئی
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں / ثابت ہوا گلشنِ نگاریں
وہ آدم حُور وَش، پری رُو / یعنی تاجُ المُلوکِ خوش خُو
گُل گشت میں تھا کسی رَوِش پر / محمودہ دائیں، بائیں دلبر
قاصد نے جو رُخ پری دکھایا / دِھیان اُس کو بکاولی کا آیا
پہچانتے ہی نگینِ خاتَم / بے شُبہ ہوا یقیں کا عالم

پرتو پہ وہ یوں چلا تڑپ کے — انگارے پہ جیسے کبک پھڑکے
دھوکا تھا فقط بکاولی کا — قاصد نے دیا وہ خط پری کا
گو، سُرمہ خموشی نے کھلایا — تحریر کو آنکھوں سے لگایا
قاصد سے کلامِ لُطف بولا — خط، صورتِ چشمِ شوق کھولا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا — قسمت کا نوشتہ یک قلم تھا
تحریر تھی سرگذشت ساری — کچھ یاس تھی، کچھ اُمیدواری
منگوا کے وہیں دواتِ و خامہ — تحریر کیا جواب نامہ
اے شاہِ اِرم کی دُختِ گُل فام — فرُخ لقب و بکاولی نام
اِس نام کے، اِس لقب کے صدقے — اِس نامے کے، اِس طلب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چُرایا — تو نے کیوں آ کے مُنہ چھپایا
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں — تو نیک ہے، اب ملے گی کیوں؟
تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس — افسوس، افسوس، ہائے افسوس!
تقدیر پھری، پھری نہیں تو — اُمید گئی، گئی نہیں تو
اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا — جی کھول کے داغِ دل دکھاتا
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا — جو کھینچ کے یاں سے لے گیا تھا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے — وہ دل، وہ جگر، وہ جی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری — میں کیا، کہ خبر نہ پہنچے میری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں — یاں بھی جو رہا، تو نیم جاں ہوں
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع — تو بسترِ شعلہ، میں رگِ شمع
تو برقِ دماں، میں خرمنِ خار — تو سیلِ رواں، میں خستہ دیوار
تو جُوششِ یَم، میں مورِ بے پر — میں نقشِ قدم، تو بادِ صرصر
دھڑکا ہے یہی، تو جان دوں گا — مر جاؤں گا، اب نہ میں جیوں گا
ہو تجھ سی پری جو خصمِ جانی — انساں کی ہے مرگ، زندگانی

منظور جو ہو حیات میری — تو مان لے ایک بات میری
حمالہ کو بھیج، آکے لے جائے — شاید مجھے زندہ پا کے پہنچائے
بھیجا نہ اُسے، تو جان لینا — آساں ہے یہاں بھی جان دینا
یہ لکھ کے، جو خط سے ہاتھ اُٹھایا — قاصِد نے لیا، جواب لایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی — دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
پوچھا کہ اری! تجھے خبر ہے — گل چیں مرا کون سا بشر ہے؟
وہ صدقے ہوئی، کہا: بلاؤں — بے دیکھے، کسی کا نام کیا لوں!
یہ سُن کے، وہ شعلہ، ہو بھبھوکا — بولی کہ تجھے لگاؤں لُوکا
تیرا ہی تو ہے فساد مُردار! — داماد کو گل دیا، مجھے خار
گُل، نقب کی راہ لے گیا چور — زندہ کروں اُس موئے کو درگور
حمالہ! جلی ہوں، کیا کہوں میں — داماد کو لا، تو ٹھنڈی ہوں میں
آگاہی جو دیونی نے پائی — بگڑی ہوئی بات یوں بنائی
محمودہ، ہے کنیز زادی — انساں سے ہوئی ہے اُس کی شادی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ — شاید اُس کا فتور ہے کچھ
مجرم جو وہ ہے، تو لو، میں لائی — یہ کہ کے اُٹھی، چلی ہَوائی
آئی تو یہ زار، نیم جاں تھا — آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
حمالہ کو دیکھتے ہی، رُو رُو — پوچھا کہ تو لینے آئی مجکو؟
بولی وہ بنی، بگاڑ کیا ہے! — چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے!
کچھ بول کے زیرِ لب وہ دِل زار — ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار
لرزہ سا چڑھا جو دیونی پر — مانند حواس اُڑی وہ مُضطر
اِس سمت سے پہنچی یہ عقیلہ — واں آئی پری کی ماں، جمیلہ
شِکوہ کرنے لگی پری سے — یوں کہنے لگی بکاولی سے:
گُلزار کی سیر کیا خوش آئی — برسوں سے نہیں تو گھر بھی آئی

بے طرح گُلوں کی ہے تو شَیدا
گُل چیں نہ ہوا ہو کوئی پیدا!

کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طَور
رُخ میری طرف، نظر کہیں اور

مادر کے کلام سُن کے، دُختر
بولی کہ: چمن تو ہے مرا گھر

میں کیا جانوں، مجھے خبر کیا
رُخ کس کو کہتے ہیں، نظر کیا!

تقریر جو بھولے پن کی پائی
وہ سادہ دل، اُٹھ کے گھر کو آئی

جب اُٹھ گئی یہ، تو دیونی وہ
حاضر ہوئی لے کے آدمی وہ

آیا، تو وہ منتظر تھی خوں خوار
اندیشے سے کانپ اُٹھا گنہ گار

واں غصّہ بھری غضب وہ چتون
پلکوں سے یہاں نظر پہ چلمن

واں سُرمۂ چشم، گرمِ تسخیر
یاں قطرۂ اشکِ تر، گلوگیر

واں پھانسنے کو بَلا، وہ گیسو
یاں تابِ سخن نہیں سَرِ مُو

بولی وہ پری بہ صد تأمُّل
کیوں جی! تمھیں لے گئے تھے وہ گُل؟

کیا کہتی ہوں میں، اِدھر تو دیکھو
میری طرف اک نظر تو دیکھو

ہے یا نہیں یہ خطا تمھاری
فرمایئے، کیا سزا تمھاری؟

قابو میں پری کے تھا سُلیماں
بولے بتلائے کیا پشیماں

کی عرض: رضا ہے، جو خوشی ہو
عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو

مُشکیں زُلفوں سے، مُشکیں کسواؤ
کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسواؤ

تلوار سے قتل ہو جو منظور
ابرو کے اشارے سے کرو چُور

زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو
اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو

یہ سُن کے، وہ شوخ مسکرا کے
بولی، اُسے چھاتی سے لگا کے

گُل چیں تو فقط نہیں، چمن کا
محرم ہے سارے تن بدن کا

رُخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں
مُنہ دوسرے کو دکھاؤں کیا میں

یہ کہہ کے، لبوں سے قند گھولے
مستی نے دلوں کے عُقدے کھولے

کاوِش پہ ہوا گُہر سے، الماس
غنچے نے بجھائی اوس سے پیاس

واں غنچۂ یاسمیں، تھا گلنار | یاں دامنِ سرو، ارغواں زار
واں صُبحِ صفا تھی گُل بہ داماں | پھُولی رُخِ مہر پر شفق یاں
کیا آگے لکھوں کہ اب سر دست | ہوتا ہے دوات میں قلم مست

اِفشائے راز ہو کر پھنسنا تاجُ الملُوک کا طلسم میں اور مُقیّد رہنا بکاولی کا:

خُونیں رقمی سے کلکِ شنجرف | ہے ستر کُشائے معنی و حرف
از بس کہ یہ عشقِ فتنہ پرداز | ہے شمعِ فروزِ پردۂ راز
ہمدم جو بکاولی نے پایا | غمّاز، یہ غم خوشی میں لایا
بھڑکائی جمیلہ مادر اُس کی | گزرانی خبر برابر اُس کی
اک شب، کہ تھی خالِ روئے شامت | یا مردُمِ دیدۂ قیامت
آکر جو ہے دیکھتی جمیلہ | روشن تھے چراغ اور فتیلہ
وہ شعلۂ آتشیں لپک کے | بجلی سی گری چمک دمک کے
دونوں کے رہی نہ جان تن میں | کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں
شہ زادے پر اُس نے مار چنگال | دریائے طلسم میں دیا ڈال
بیٹی کی طرف کیا نظارہ | جھلّا کے کہا کہ خام پارہ!
حُرمت میں لگایا داغ تو نے | لٹوائی بہارِ باغ تو نے
تھمتا نہیں غصّہ تھامنے سے | چل دُور ہو میرے سامنے سے!
خجلت سے پری زمیں میں گڑ کے | سایہ سی رہی قدم پکڑ کے
مادر نے، ہزار پاسباں میں | رکھّا اُسے قید کے مکاں میں

پا بہ زنجیر ہونا بکاولی کا سودائے فراقِ تاجُ الملوک میں

سودائے الم ہے اب جو تحریر | حرفوں سے قلم ہے پا بہ زنجیر

سُنسان وہ دم بخود تھی رہتی
کچھ کہتی، تو ضبط سے تھی کہتی

کرتی تھی جو بھوک پیاس بس میں
آنسو پیتی تھی، کھا کے قسمیں

جامے سے جو زندگی کے تھی تنگ
کپڑوں کے عوض، بدلتی تھی رنگ

یک چند جو گزری بے خور و خواب
زائل ہوئی اُس کی طاقت و تاب

صورت میں، خیال رہ گئی وہ
ہیئت میں، مثال رہ گئی وہ

آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر
فانوسِ خیال بن گیا گھر

پریاں وہ جو اُس کی پاسباں تھیں
دانا و عقیل و خوش بیاں تھیں

سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں
ترکِ خور و خواب کرتی ہے کیوں

ثابت کچھ اثر ستارے کا ہے
کس چاند کو کیا گہن لگا ہے!

رحم اپنی جوانی پر ذرا کر
مُنہ دیکھ تو آئینہ منگا کر

صورت تری زار ہو گئی ہے
گل ہو کے، تو خار ہو گئی ہے

ہے ہے تری عقل کس نے کھوئی!
ناجنس کو چاہتا ہے کوئی؟

سہتی نہیں آگ ماہیِ تر
رہتا نہیں پانی میں سمندر

مذکور نہیں ہے کچھ حسد کا
ساتھی نہیں کوئی کارِ بد کا

روشن ہے جو کچھ کیا ہے اندھیر
پھیر اپنی سمجھ سمجھ کا ہے پھیر

محبوس کیا ہے تجکو ہرچند
توبہ کا دَر نہیں کیا بند

بھولے سے بھی کر نہ یادِ آدم
پھر گھر وہی، تو وہی، وہی ہم

اے شمع! نہ سوچ گر بد و نیک
رشتہ کاٹے گا تجھ سے ہر ایک

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان، تو ہے مختار

تو قیدِ جفا میں ہے، کہ ہم ہیں؟
تو دامِ بلا میں ہے، کہ ہم ہیں؟

غم، راہ نہیں کہ ساتھ دیجے
دُکھ، بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

جھنجھلائی بکاولی کہ بس بس!
اب ایک کہو گی تم، تو میں دس

رنجور جو ہوں، تو میں، تمھیں کیا
مجبور جو ہوں، تو میں، تمھیں کیا

مانا مری حالت اب رَدی ہے — بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے
بُلبُل اُسی رشکِ گُل کی ہوں میں — تم کیا ہو، ہزار میں کہوں میں
سوچیں وہ کہ یہ نہیں سمجھتی — ہے بلکہ بہ رنگِ زُلف اُلجھتی
مجنوں ہو اگر، تو فصد لیجے — سایہ ہو، تو دَوڑ دُھوپ کیجے
کچھ رُوگ جو درپئے خَلش ہو — درماں کے لیے دَوا دَوِش ہو
بیماریِ عشق لادوا ہے — اِس باغ کی اور ہی ہَوا ہے
آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ — ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
یاد آئیں جو اُبروانِ خَم دار — رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
وہ سبزۂ خط جو یاد آئے — جُھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے
کر یاد کہیں چہِ ذَقن کو — کُودے نہ کُنویں میں باولی ہو
دیوانے کی مطلقُ العنانی — ہے باعثِ مرگِ ناگہانی
تدبیر کا حوصلہ نکالا — زنجیر کا سلسلہ نکالا
بیڑی تھی رُخِ جنوں کی کاکُل — پابوسیِ گُل کو آیا سُنبل
جب وحشتِ عشق ہو زیادہ — زنجیر ہے پیشِ پافتادہ
شوریدہ بکاولی غضب تھی — زنجیروں میں بھی بند کب تھی
بڑھتی جب دل کی بے قراری — پڑھتی یہ غزل بہ آہ وزاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہے — بے تابیِ دل جہاں جہاں ہے
زنجیرِ جنوں! کڑی نہ پڑیو — دیوانے کا پانو درمیاں ہے
ذرّے کا بھی چمکے گا ستارہ — قائم جو زمین وآسماں ہے
جو داغ کہ مہر ہے فلک پر — دل میں مرے اب تلک نہاں ہے
کس سوچ میں ہو نسیم! بولو — آنکھیں تو ملاؤ، دل کہاں ہے

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے
رُوح اُفزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہرِ گہرِ طلسمِ اخلاص
ہے بحرِ سخن میں خامہ غوّاص

وہ قطرۂ بارشِ جُدائی
وہ غرقۂ بحرِ آشنائی

وہ بادشہِ حُباب افسر
یعنی تاجُ الملوکِ مُضطر

بے بہری چرخ سے جو ناگاہ
گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ

جو ماہِ سپہرِ برتری تھا
سو، ماہیِ بحرِ ابتری تھا

بادل سا، وہ بحرِ آسماں جوش
بجلی سی لہر سے تھا ہم آغوش

دریا تھا، نہ بحر تھا، نہ جیحُوں
طُوفانِ طلسم، جوشِ اُفسوں

گرتے تو، وہ پانی سر سے گُزرا
اُبھرا، تو نہ کچھ نظر سے گُزرا

موجوں کے عوض، تھی چینِ داماں
گرداب کے بدلے، تھا گریباں

آگے جو بڑھا، جزیرہ دیکھا
اشجار کا واں ذخیرہ دیکھا

جس پھل کو چُھوا، جو پھر کیا غور
ہاتھ آیا نہ کچھ حُباب کے طَور

جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
ہے یاں کے درخت کا یہی پھل

اور آگے بڑھا وہ بحرِ اوہام
ڈوبا خورشید، ہو گئی شام

ڈر جانوروں کا جی میں پَیٹھا
اک نخلِ کہُن پہ چڑھ کے بیٹھا

ناگاہ سُنی صدائے پُر خوف
آیا ایک اژدہائے طَوف

صورت میں پہاڑ کی نشانی
سیرت میں بَلائے ناگہانی

مُنہ کھول کے، سانپ اک نکالا
اُس کالے نے مَن زمیں پہ ڈالا

لہرا لہرا کے اُوس چاٹی
بَن میں کالوں نے رات کاٹی

جب صبح ہوئی تو مُنہ میں ڈالا
کالے نے مَن، اژدہے نے کالا

وہ جا کے اُفق میں رہزر چمکا
مَن، افعیِ شب کے مُنہ سے نکلا

سوچا وہ کہ لیجیے مَن کسی طَور
دشمن کا تھا سامنا، کیا غَور

کچھ گائیں کُلیلیں کر رہی تھیں
بَن میں ہری دُوب چر رہی تھیں

دودھ اُن کا دُوہا، پیا، کہا، لو
گُوبر کی اُٹھی کے چھوت پھینکو

نکلا جو پھر آ کے شب کو اژدر
گُلخَن سے دھواں، دھوئیں سے اخگر

گُوبر پھینکا، تو دب گیا مَن
بادل میں چھپا وہ ماہِ روشن

بے روشنی، اندھے ہو گئے وہ
مَن ڈھونڈتے، آپ کھو گئے وہ

مَن لے کے، جو اُس نے مُہرہ مارا
شب کاٹ کے، صُبح دم سِدھارا

دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
مادہ لگی پوچھنے کہ او نَر!

میں تجربہ کر چکی جہاں کا
کُھلتا نہیں کچھ طِلسم یاں کا

مادہ سے یہ سُن کے، بول اُٹھا نَر
ہے طُرفہ طِلسم اِس جگہ پر

وہ پیڑ، جو حوض پر لگا ہے
طوبا سے خَواص میں سوا ہے

اک سانپ ہے واں پہ چوٹ کرتا
مارے سے نہیں کسی کے مرتا

لیکن جو یہ بندۂ خدا جائے
تا حوض، قدم قدم چلا جائے

لپکے گا خود اِس کو دیکھ کر سانپ
مُنہ چادرِ آب میں یہ لے ڈھانپ

اُبھرے گا، لگا کے جب یہ غوطا
بن جائے گا آدمی سے، تُوتا

اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے

سب خُشک ہے، ایک ہے ہری ڈال
دو رنگ کے پھل ہیں، سبز اور لال

پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
انساں کا رنگ روپ پائے

پھر توڑے اُس کے سبز پھل کو
پھل کچھ اسے دے رہے گا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
ہتھیار نہ اُس پہ کارگر ہو

لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
بن جاتا ہے موم، اگر ہو آہن

دو ہاتھوں میں لے جو کاندھے پر سے
اُڑتا پھرے، جیسے مُرغ، پَر سے

لٹو پی جو بنائے، چھیل کر چھال
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال

پتے کی صفت بیان کیا ہو
دم بھر میں بھرے جراحتوں کو

مُنہ میں رہے گوند اُس کا جب تک
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک

تھا مُلہمِ غیب مرغ گویا
سُنتے ہی، اُدھر چلا وہ جُویا

کالے نے جہاں سے کی سیاہی
وہ حوض میں تھا مثالِ ماہی

تو تا بن کر، شجر پہ آکر
پھل کھا کے، بشر کا رُوپ پا کر

پتے، پھل، گوند، چھال، لکڑی
اُس پیڑ سے لے کے، راہ پکڑی

ہاتھ آ جو گئی عصا کی تاثیر
پرّاں ہوا صورتِ عصافیر

اُڑتا ہوا، واں سے دُور جا کر
ٹھہرا دم لینے اِک جگہ پر

مَن، ران کو چیر کر چھپایا
پتے سے وہ زخم سب بھر آیا

اِک حوض پُر آب و تاب دیکھا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا

غوطہ جو لگا کے سر اُٹھایا
وہ آب، وہ حوض کچھ نہ پایا

دکھلائی بُرے دنوں نے شامت
مردی کی رہی نہ کچھ علامت

حوض اُس کی ہوئی، یہ دیکھتے ہی
فُوّارہ تو گُم، خزانہ باقی

سختی جو دکھاتا تھا مُقدّر
چھاتی پہ دھرا کچوں سے پتھر

نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو
بے چاری چلی کسی طرف کو

آگے سے جوان ایک خوش قد
آتا تھا، دلوں کی جیسے آمد

باہم زن و مرد نے کیا میل
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل

بارے جو پڑی گھر اُس کے بے قید
اُمّید سے رہ گئی وہ نومید

جب جن کے، نہانے کا دن آیا
غوطہ کسی حوض میں لگایا

اُبھری تو نہ حوض تھا، نہ وہ رُوپ
پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ

مردی نے جو پھر وجود پایا
پستانوں کو بے نمود پایا

ترکش پہ نگاہ کی، تو تھا تیر
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر

گو شمع بنا، چراغِ دامن
روشن نہ ہوا وہ رنگ روغن

تھا مردُمِ دیدۂ طلسمات   خالِ رُخِ و رنگِ رُو مساوات
اک دیونی مردہ دل سی مبہوت   پستاں سے قد اُس کا نخلِ تابوت
زنبورِ سیاہ، خال اُس کے   برگد کی جٹائیں، بال اُس کے
گٹھا لیے سر پہ لکڑیوں کا   چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
شہ زادہ کہ تھا کرِیہ منظر   وہ رو سیہ اُس کو سمجھی شوہر
گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا، جا   کیجو نہیں دیر، جلد آجا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار   راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل   ہلکا ہوا، پھینک پھانک بوجھل
واں سے جو بڑھا، تو ایک چشمہ   پُر آب تھا، چشمِ منتظر سا
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا   پایا وہی رنگ روپ سارا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا   بولا وہ کہ شکر ہے خدایا!
خورشید مرا گہن سے چھوٹا   زنگ آئنہ بدن سے چھوٹا
یارب! یہی اب میں چاہتا ہوں   یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
ناداں ہو، جو آبرو کو کھوئے   اُس پانی سے مونہ ہاتھ دھوئے
یہ کہہ کر، کاندھے رکھ کے لاٹھی   گھوڑوں پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس   کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
دیکھا ناگاہ کوہِ البرز   اک دیوِ سیاہ تھا لیے گرز
لوٹی وہ جو سر پہ چھال کی تھی   عُریانی میں پردہ حال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ   سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ
گریاں لبِ حوض اک پری تھی   فوارے کی طرح رُو رہی تھی
پُر جوش و خروش اُسے جو پایا   رُوپوش نے تاجِ سر اُٹھایا
دیکھا جو پری نے آدمی زاد   آہستہ کہا کہ خانہ برباد!
رستہ ترا کھو گیا کہاں سے!   کھا جائے گا دیو، بھاگ یاں سے

بولا وہ بشر کہ دیو کیسا؟
ہم کو تو ملا نہ کوئی ایسا

بولی وہ پری کہ جا، کہا مان
سر پر ہیں ترے قضا کے سامان

بولا وہ کہ بے قراری کیا ہے
تم اپنی کہو، ہماری کیا ہے

کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو؟
کیا رنج ہے، کس فساد میں ہو؟

بولی وہ حسیں کہ میں پری ہوں
اِس دیو کے بس میں آگئی ہوں

فِردوس کا بادشہ مُظفّر
رُوح افزا جس کی ہوں میں دُختر،

سردار کروڑ دیووں کا ہے
سُلطانِ اِرَم، مرا چچا ہے

اک دن میں چلی چچا کے گھر کو
ماندی تھی بکاولی، خبر کو

رستے سے یہ دیو پھانس لایا
اب تک تو خدا نے ہے بچایا

نام اُس سے بکاولی کا سُن کر
رونے جو لگا وہ سر کو دُھن کر

پوچھا اُس نے کہ آدمی زاد!
تو کیوں رویا؟ کہا کہ فریاد!

واں خرمنِ عیش پر پڑی برق
یاں بحرِ فسوں میں مَیں ہوا غرق

واں پھانس چُبھی ہے اُس کو غم کی
یاں سانس نہیں ہے ایک دم کی

بولی وہ کہ چُھوٹتے اگر ہم
رکھتے ترے زخمِ دل پہ مرہم

بولا وہ کہ چل، کہا کہ ناداں!
وہ دیو کہاں، کہاں تو انساں

دیووں سے بھی لڑ سکا ہے کوئی
سایے کو پکڑ سکا ہے کوئی

بولا وہ کہ جی بُجھا نہ جانی
دیو آگ، تو آدمی ہے پانی

ہر چند کہ اِنس و جاں میں ہے لاگ
دب جاتی ہے مُشتِ خاک سے آگ

بولی وہ کہ سُن تو آدمی زاد!
وہ دیو ہے، تیری کیا ہے بُنیاد؟

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی!
لاٹھی سے جُدا نہ ہوگا پانی

بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
موسیٰ کا عصا ہے، اژدہا ہے

یہ کہ کے، جتائے جوہر اپنے
سامان دکھائے یکسر اپنے

ٹوپی جو اُتار لی تھی سر سے
پھر رکھ کے، نہاں ہوا نظر سے

لٹھ کاندھے پہ رکھ، ہَوا پہ جاکر — ظاہر ہوا، ٹوپی کو اُٹھا کر
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے — اُڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو — وہ آدمی لے اُڑا پری کو
وہ دیو، پری کو اُڑتے پاکر — اُچکا، تو ملا ہَوا پہ جاکر
شہ زادے نے اپنے سر کی ٹوپی — جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
بدلی میں چھپی وہ ماہِ روشن — بجلی سا عیاں ہوا یہ پُرفن
وہ دیو، کہ تھا پری پہ لپکا — حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
شہزادہ، کہ لٹھ سے برق دَم تھا — بادل سا ہَوا کا ہم قدم تھا
دیکھا جو نہ دیو نے گزارا — پتھر اک اُٹھا کے پھینک مارا
وہ سنگِ گرانِ ضربۂ غول — تاثیر سے پھل کی، بن گیا پھول
لٹھ اُس کا پڑا، تو وہ ہوا چُور — جس طرح عصا سے جامِ بلّور
غُل کرکے. زمین پر گرا دیو — موجود ہوئے ہزارہا دیو
بادل کی طرح جو اُمڈے دشمن — لاٹھی سے ہوا وہ برقِ خرمن
موسیٰؑ کا عصا تھا، لٹھ جواں کا — ایک لاٹھی سے سب کو ہانکا
سُرمہ کیا کوہ پیکروں کا — جی چھوٹ گیا دلاوروں کا
ٹوپی کو اُتار کر پری نے — چُومے قدمِ بشر، پری نے
شہ زادے نے تاج سر پہ رکھا — لٹھ کاندھے پہ، دل سفر پہ رکھا
فردوس میں جاکے صورتِ حُور — ماں باپ سے آملی وہ مہجور
دیووں کی وہ سرکشی سُنائی — انساں کی وہ مردمی جتائی
سُن سُن کے، اُڑے حواس اُن کے — لائے نہ یقیں، قیاس اُن کے
پوچھا کہ وہ ہے؟ کہا کہ ہاں، ہے — پوچھا کہ کہاں؟ کہا: یہاں ہے
یہ سُنتے ہے، اُس نے تاج اُٹھایا — حیرانوں کو شعبدہ دکھایا
بال اُس کے، وبال سے بڑھے تھے — ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے

تن خاکی تھا، جانِ آتشیں تھی
عُریانی، قبائے پوستیں تھی

صورت سے فقیر تھا بِرُوگی
کی آؤ بھگت، سمجھ کے جُوگی

حُسن آرا، اُس پری کی مادر
باپ اُس کا، بادشہ مظفّر

قدموں پہ گرے، کہا ادب سے:
حُرمت رہی آپ کے سبب سے

بولا وہ: خُدا خُدا کرو، واہ
ہے جُملہ جہاں کا مالک اللہ

قادِر وہی، کبریا وہی ہے
آخر وہی، اِبتدا وہی ہے

بولے وہ کہ حق ہے، جو ہے فرمان
تم وقت کے اپنے ہو سُلیمانؑ

کھولو کمر، آؤ، لُطف فرماؤ
شربت پیو، میوہ ہائے تر کھاؤ

بولا وہ کہ اِشتہا کسے ہے
کھانے کا مزا رہا کسے ہے

سیّاح کو کیا قیام سے کار
شبنم نہیں جا گزینِ گلزار

درویش، رَواں رہے تو بہتر
آبِ دریا، بہے تو بہتر

روح افزا بول اُٹھی: اجی واہ!
ہم جانے نہ دیں گے تم کو واللہ

آرام کرو، کرم کرو، آؤ
ہم رام ہوئے، نہ رَم کرو، آؤ

مجمع سے، الگ مکاں میں لائی
آرام کی جا قرار پائی

اصحابِ نیاز کھانے لائے
اربابِ نشاط گانے آئے

تھا اپنی ہی سوچ میں وہ سُنسان
دُھن راگ کی تھی، نہ رنگ کا دِھیان

بے وقت وہ راگ، خوش نہ آیا
بے فصل وہ پھاگ، خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کے ساتھ اور تاجُ الملوک سے مل کر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے
یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا
مژدہ شاہِ اِرم تک آیا

جاناتھا یگانگی میں لازم
ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم

وہ ساکنِ خانۂ سلاسل
یعنی، وہ بکاولی بے دل

کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی
خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی

سُن کر قیدی کی زار نالی
زنجیر کے پیچ سے نکالی

تخت اُن کی سواریوں کے آئے
اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے

بالوئے شہرِ ارم، جمیلہ
دُخت اُس کی، بکاولی عقیلہ

روح افزا سے ہوئیں بغل گیر
صورت پوچھی، کہا کہ تقدیر

کہ سُن کے مبارک و سلامت
بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت

روح افزا نے کہا: بچی جان یا
تم جاؤ، رہیں بکاولی جان

خاطر سے کہا کہ خیر، لیکن
لے جاؤں گی خود میں ساتویں دن

یہ کہہ کے، وہ وحشتِ مجسّم
آہو سی، ارم کو کر گئی رم

روح افزا نے کہا بہن سے
بہتر کوئی جا نہیں چمن سے

گُل گشت کریں چلو، کہا: خیر
کیا جانے کہ ہوگی سیر ہیں سیر

چل پھر کے، ہنسی ہنسی میں پوچھا:
کھونا، ملنا، بہن! یہ کیا تھا؟

روح افزا نے کہا کہ ہمشیر
میں نے یہ سُنا کہ تو ہے دل گیر

واللہ کہ چھان کر خدائی
تیرے پیارے کو ڈھونڈ لائی

سمجھی وہ ہنسی، کہا: سٹرن ہو
نادان ہو، کیا کہوں: بہن ہو

ہم کو یہ ہنسی نہیں گوارا
پیارا ہوئے گا وہ تمھارا

پیارا جو نہ تھا، تو کھو گئیں کیوں؟
بدراہ بھی آپ ہو گئیں، کیوں؟

بولی وہ کہ آشنا تمھارا
پیارا نہیں، پیاری کا ہے پیارا

گر اُس کی تلاش میں، میں کھوئی
بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی

جو چاہو کہو، جواب کیا دوں
قائل نہیں ہوتی ہو، دکھادوں؟

وہ جوگی، وہ دھونی اور وہ آسن
دکھلایا، تو تھی اُسی کی جوگن

دیکھا، تو دکھا رہی تھی تقدیر — کوشش کا اثر، کشش کی تاثیر

رُوح افزا اُن کے بیچ میں واں — قالب تھی میانِ جان و جاناں

دونوں کا یہ دِل تھا وصل منظور — مانندِ حجاب ہو گئی دور

وہ غرقۂ بحرِ ظلم دے داد — دریا رُویا، سُنا کے اُفتاد

خاطر کی کدُورتیں عیاں کیں — چشموں کی وہ صورتیں بیاں کیں

رُو رُو کے بکاولی دل افگار — بولی کہ خدا کو علم ہے یار!

پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے — دیدے مرے نقشِ پا تھے تیرے

مشکل مجھے اپنا تھامنا تھا — ہر وقت قضا کا سامنا تھا

ہم چشم پھرے تھے مثلِ مژگاں — ہم سایہ تھے سب کشیدہ داماں

گھر میں رہنا، گراں تھا میرا — زنجیر کا گھر، مکاں تھا میرا

جو کہ کے سخن پکارتا تھا — پتھر سا کھینچ مارتا تھا

سختی سہی، یا کڑی اُٹھائی — اُفتاد تھی، جو پڑی، اُٹھائی

طالع سے کسے تھی ایسی اُمید — نکلا ہے کدھر سے آج خورشید

کیوں مُنہ پہ شفق خوشی سے پھولی — کیا شامِ وصال راہ بھولی!

یہ کہ کے، ملے بہم وہ ایسے — صفحے خطِ توأماں کے جیسے

یک جان و دو تن تھے سرو بالا — صحبت کا مزا ہوا دو بالا

درباں سی تھی در پہ روح افزا — تھا پیشِ نظر حیا کا پردا

جب بیٹھے ہوس نکال کے وہ — وارد ہوئی دیکھ بھال کے وہ

بول اُٹھی بکاولی کہ واری! — محرم کا ہے کام پردہ داری

وہ بولی: مجھے تو کچھ نہ آیا — تم نے مگر اب تو ہے سکھایا

کیا جانیں ابھی بدا ہے کیا کیا — اِس عمر میں سیکھنا ہے کیا کیا

بارے، وہ مہ دو ہفتہ باہم — یک ہفتہ رہے انیس و ہمدم

سمجھے ہفتے کی میہمانی — ہر ہفتِ عروسِ شادمانی

وعدے پہ جمیلہ سا تو ہیں دن — آئی، تو تھا حیلہ غیر ممکن
ساتھ اُس کے رواں ہوئی وہ گل رُو — ہوش اُس کے ہوا ہوئے، کہے تو
چاہا کہ وہ تاج رکھ کے سر پر — رہیے رُوپوش، ساتھ چل کر
دامن کو پکڑ کے، روح افزا — بولی کہ کدھر کیا ارادا ؟
اُلفت کے بہت نہ جوش میں آؤ — کچھ خیر ہے تم کو، ہوش میں آؤ
نافہمی سے خوار ہو چکے ہو — اب تو سیکھو کہ کھو چکے ہو
کارِ مشّاطۂ خود نہ کیجے — انگارے کو ہاتھ سے نہ لیجے
جلدی تمھیں کیا ضرور، دم لو — بے دل نہ ہو، قول لو، قسم لو
گھبراؤ نہ پا کے نامُرادی — غم کھاؤ، جو چاہتے ہو شادی
سوچا، تو نہ تھا صلاح اُلجھنا — دانائی تھی بات کا سمجھنا

پیغام دینا حُسن آرا کا بکاولی کی شادی کے واسطے

بے دل نے جگہ جو جی میں پائی — یوں خامے نے کی زباں کشائی
وہ شُکر گزار روح افزا — ماں سے بولی کہ حُسن آرا!
واجب ہے ادائے حقِ مہماں — احساں کا عوض نہیں جُز احساں
حُسن آرا نے کہا کہ بہتر — جو اپنے سے ہو، نہیں ہیں باہر
بولی وہ کہ یہ فقیر، جوگی — ہے عشقِ بکاولی کا رُوگی
میں اس کے سبب بچی ہوں جی سے — یہ میرے سبب ملے پری سے
راز اُن کا کیا جو آشکارا — راضی ہوئی سُن کے حُسن آرا!
بُلوا کے مُصوِّر اک کُہن سال — کھنچوائی اُس آدمی کی تمثال
وہ صورتِ حال اِرم میں لائی — خلوت میں جمیلہ پاس آئی
چھیڑا کہ ہو مہ سے عقدِ پروِیں — پیوندِ نہالِ گُل ہو نسریں
واجب نہیں اب تامّل اِس میں — بھریے وہیں تک، نہ چھلکے جس میں

بولی وہ جمیلہ: کیا بتاؤں!
تو اپنی ہے، تجھ سے کیا چھپاؤں

سودا ہے مری بکاولی کو
ہے چاہ بشر کی، یا ولی کو

مشہور ہے ضدِّ اِنس وجانی
یک جا نہیں رکھتے آگ پانی

حُسن آرا نے کہا: جمیلہ!
مجکو یہ نہیں پسند حیلہ

کاوِش تری بے ثبات ہے یہ
سو بات کی ایک بات ہے یہ

دو دل جو ہوں جانبین راضی
یہ جان لے، کیا کرے گا قاضی؟

بولی وہ جمیلہ: ہوش ہیں آؤ
جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ

تجویز کے آپ کی ہیں قُرباں
لے جائے مری پری کو انساں!

حُسن آرا نے کہا کہ خاموش!
شعلے کو کیا ہے کس نے خس پوش؟

اسباب نہ جمع کر ضرر کے
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے

بولی وہ جمیلہ: کہ، کروں کیا؟
وہ بولی: نہ سمجھی، کہتی ہوں کیا

جب دل ہی پری کا آگیا ہے
انساں ہے، تو کیا مُضایقا ہے

انساں ہی تھے حضرتِ سُلیمانؑ
انساں ہی تھے مسیحِ دوراں

یہ قطرۂ بحرِ کبریائی
دریا ہے، جو ہوئے آشنائی

کیا شکوہ، اگر پری نہ سمجھے
افسوس، جو آدمی نہ سمجھے

دم دھاگے ہیں رشتۂ نفس کے
پھندے ہیں پھنسا ہے پیش وپس کے

بیاہ ہونا بکاولی کا تاجُ الملوک کے ساتھ اور رہنا اِرم میں

شادی کے لیے ہے کِلکِ شنجرف
انگشتِ قبولِ دیدۂ حرف

حُسن آرا تھی جو نیک تدبیر
دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر

پہچان کے خال وخط سے انداز
وہ چُپ جو رہی، تو یہ سخن ساز

بولی: کہو، کیوں؟ کہا کہ مانا
پر کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا؟

وہ بولی کہ تجھ کو اِس سے کیا ہے
ہم نے تو سمجھ کے کچھ کہا ہے

ٹھہری یہ غرض کہ آج کی رات
فیروز شہ آگے چھیڑیے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا
افسانۂ عشق اُسے سُنایا

یاد اُس نے کیا بکاولی کو
لے آئے اُڑا کے اُس پری کو

تصویرِ بشر دکھائی اُس نے
شادی کی خبر سُنائی اُس نے

دیکھا، تو نہ فرق تھا سرِ مُو
جانچے خط و خال و چشم و ابرو

نقشے سے وہی نگار پایا
قسمت کا لکھا سا آگے آیا

کہنے لگی دل میں: یا الٰہی!
شر ہو نہ کہیں، یہ خیر خواہی

پیارے سے نہ ہو خلاف وعدا
کیا سوچتی ہوں نصیب اعدا

دیکھا تو وہ بھیدی حُسن آرا
کرتی تھی اُسی کے رُخ نظارا

روح افزا کا جو آگیا دھیان
تسکیں ہوئی، آئی جان میں جان

جانا کہ بہار، فصل سے ہے
یہ نقل، مطابق اصل سے ہے

اِقرار میں تھی جو بے حیائی
شرمائی، لجائی، مُسکرائی

حُسن آرا نے کہا: مُبارک!
اِیجاب اِس نے کیا، مُبارک

سج دھج یہ بنی، اِدھر بنائے
بن ٹھن کے بنا، اُدھر سے آئے

ستارہ شناس کو بُلایا
ساعت ٹھہرائی، دن دکھایا

شادی کی خبر سے خوش خوش آئی
مشتاق کو خوش خبر سُنائی

راتوں کو جو گنتے تھے ستارے
دن گننے لگے خوشی سے بارے

واں منہدی نے چومے پائے خورشید
یاں سبز ہوا نہالِ اُمید

وہ واں پہ گلاب سے نہائی
یاں تازگی آبرو نے پائی

واں غازے سے رُخ، شفق میں خورشید
یاں جم گیا مُنہ پہ رنگِ اُمید

افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
یاں چینے سے روشنی دوچنداں

واں مانگ سے رنگِ کہکشاں ماند
یاں شملۂ سر سے، ہالے میں چاند

واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
طُرّہ کلغی پہ یاں تھا سر پیچ

آنچل ہوئے واں حجابِ عارض
سہرا ہوا یاں نقابِ عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا — یاں جامۂ وفا کا اُس نے پہنا
محرم کے کسے گئے اُدھر بند — ہمت کا بندھا اِدھر کمر بند
واں گُل سے، بہارِ بوستاں تھی — آرائشِ تختِ گل یہاں تھی
الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس — یاں جلوہ فروشِ تختِ طاؤس
مہتاب سے، چاندنی کا واں فرش — یاں چرخی سے، چرخ میں مہ وش
واں جلوے حنائی اُنگلیوں کے — یاں روشنی کے تھے پنج شاخے
بادل سے وہ واں گرج رہے تھے — یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے
واں پریوں میں ذکرِ آدمی زاد — نوشے کے جِلو میں یاں پری زاد
گلگوں تھا کسی کا باد رفتار — گلرنگ کسی کا تھا ہوا وار
ہاتھی تھے، تو مستیوں کی دُھت تھی — گھوڑے تھے تو چابکی کی لت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوارِ شبدیز — تھا پا بہ رکاب شوقِ مہمیز
در تک جو برات اُدھر سے آئی — کی سب نے اِدھر سے پیشوائی
فیروز و مظفر، ایسے دو شاہ — پُرنور تھے جیسے مہر اور ماہ
بارانِ گُلاب و بارشِ گل — ہو کر بڑھے آگے با تجمل
سلطاں فیروز، رشکِ جم تھا — نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
ہر پالے بنے کا شور و غُل تھا — سُنبل کا چنور، تو چتر گل تھا
گل سے خوانوں میں زردہ آیا — اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا
خورشید سا آفتابہ لائے — مُنہ ہاتھ ہر ایک کے دُھلائے
قلیاں پیے مُشک بُو، دُھواں دھار — بیڑے چکھے پان کے مزے دار
جب عقد کی اُن کے ساعت آئی — دو رشتوں میں اک گرہ لگائی
یک جا کیے وہ عروس و داماد — وہ جانِ پری، یہ آدمی زاد
حیرت نے آئنہ دکھایا — شربت، دیدار نے پلایا
زُلفیں ہوئیں چہرے کی بلا چیں — ٹونا، وہ نگاہیں سحر آگیں
جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا — اِسپندِ نگاہِ بد بہ دل تھا

جُوڑی جو ملی بنے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جوگا ہنیں تھیں، شہانے گائیں — لیتی ہوئی نیگ، راگ لائیں
حق پا کے، جو رکھتی تھیں قدامت — بول اُٹھیں: مُبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جُوڑا — خلوت میں دُلہا دُلھن کو چھوڑا
پریاں کہ ہزار ہا بھری تھیں — ارمان سی سب وہاں سے نکلیں
بے پردگی ہوتی تھی جو اُن میں — دروازوں نے بند کرلیں آنکھیں
طُومارِ حجاب کو کیا طے — ساغر پہ جُھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دُلھن سے نوشاہ — صُحبت ہوئی دُخترِ رز سے دل خواہ
مست آنکھیں تھیں رشکِ جامِ سرشار — لب ریز ہوئی شرابِ دیدار
گردن، تھی صُراحیِ مےِ ناب — ہاتھ آئی وہ بہرِ مستیِ خواب
جب اُوڑھی عُروسِ مہ نے چادر — نکلا پردے سے شاہِ خاور
ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنی، دولھا دُلھن سحرگاہ — نکلے آرام گہ سے دل خواہ
مُنہ گھر کو براتیوں نے موڑا — محفوظ دُلھا دُلھن کو چھوڑا
وہ حوضِ گُلاب میں نہایا — یاں رُخ پہ عرق، گُلاب پایا
واں جُوڑا چُست و تنگ بدلا — یاں جوڑے کے مُنہ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پردے میں چھیڑ تھی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاولی کو لے کر اور آنا گلشنِ نگارین میں

غُربت سے جوابِ سرِ وطن ہے — کلکِ دو زباں یہ حرف زن ہے
شادی ہو کر، وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا میں خانہ داماد

غربت میں وطن کی دُھن سمائی — اُس فیل کو، یادِ ہند آئی
خلوت میں ہوا پری سے گویا — دُنیا میں ہیں سب وطن کے جُویا
پانی تہِ خاک کو رواں ہے — لَو شعلے کی سوئے آسماں ہے
عزمِ سفرِ وطن سمجھ کر — بولی وہ بکاولی کہ بہتر
چلیے گا، تو ساتھ ہیں بلا عُذر — رہیے گا، تو بندگی میں کیا عُذر
ہاتھ اُس کا پکڑ کے باہر آئی — ماں باپ کے پاس دُختر آئی
ہوتے ہی دوچارِ خویش دُختر — دو سے ہوئے چار اُس جگہ پر
وہ تینوں تھے قوم کے پری زاد — چوتھا اُن میں، یہ آدمی زاد
چومی اُس نے زمینِ خدمت — غربت سے، وطن کی چاہی رُخصت
فیروز شہ و جمیلہ بانو — دونوں ہوئے سُن کے سَر بہ زانو
غوطے میں جو آگئے وہ یک سر — بولی ماں باپ سے وہ دُختر
پردیسیوں سے جو کی ہے نسبت — اب کیجے ہنسی خوشی سے رُخصت
دعوا نہیں کچھ دیے ہوئے پر — قائم رہیے کیے ہوئے پر
لازم جو ہو، اُس میں کد نہ کیجے — سائل کا سوال رد نہ کیجے
بولے وہ کہ: بخت تھا زبردست — خورشید کو ذرّے نے کیا پست
انساں سے جھکی پری کی گردن — کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن
یہ کہہ کے، منگائے دو ہوا دار — سَو دیو بُلائے بادِ رفتار
ہو کر دیووں کے زینتِ دوش — رخصت وہ اُدھر ہوئے، اِدھر ہوش
اشکوں سے شگوں لیا نرالا — آئینۂ رُخ پہ پانی ڈالا
سونپا مُختار کو جو مجبور — گھر پاس تھا، اور وہ منزلوں دور
آئے، تو وہ باغِ سحر بنیاد — تھا آب و ہوائے خوش سے آباد
خیل و خدم اُس کے مُنتظِر تھے — مانندِ حواس منتشر تھے
پہچان کے سب نے غُل مچایا — "آیا تاج المُلوک آیا"

داخل جو ہوئے محل کے اندر — محمودہ لپکی، دوڑی دلبر
پوچھا: خوش خوش؟ کہا کہ دم لو — دیکھو یہ کون ہیں، قدم لو
دلبر! یہ وہی بکاولی ہے — محمودہ! دیکھ، کیا پری ہے!
سُبحان اللہ کہ کے، دلبر — بولی کہ یہ گھر ہوا منوّر
محمودہ نے کہا: مُبارک — خوشنودیِ آشنا مُبارک
اُن مختصروں نے جب دیا طُول — بولی وہ بکاولی کہ معقول
یہ سمجھو، تو کچھ نہیں ہے تکرار — خوش پوش ہے ایک جوڑے دو چار
درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش — ہم خانہ وہم دم وہم آغوش

طلب ہونا بکاولی کا راجا اندر کی محفل میں اور آگاہ ہوکر ہمراہ جانا تاجُ المُلوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج — اب یوں نَے خامہ ہے نواسنج
ازبس کہ یہ چرخِ فتنہ انگیز — ہے خرمنِ عیش پر شرر ریز
یک چند وہ مہ لقا کاہشوں میں — گزری اک عمر خواہشوں میں
تقدیر سے جب مُراد پائی — راجا اندر کو یاد آئی
اندراسن اُمر نگر ہے شہر ایک — خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اِندر، ہے بادشاہ اُس کا — آسن، ہے تخت گاہ اُس کا
مضموں وہ قضا سے اِس قدر ہے — اُس بستی کا نام اُمر نگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اُس میں — روحانیوں کا نشیمن اُس میں
کہتے ہیں مؤرخانِ ہندی — آباد ہوا یہ ہے وہ بستی
راجا، کہ کمال پارسا ہے — مقبول جنابِ کبریا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اُس کو — نغمے سے ہے شوق ذوق اُس کو

انساں کا سُرود و رقص کیا ہے
پریوں کا ناچ دیکھتا ہے

باری باری سے جو پری ہے
راجا اندر کی مُجرئی ہے

لیکن جو بکاولی دلِ افگار
باری پہ پہنچ سکی نہ بیمار

اک شب راجا تھا محفل آرا
یاد آئی بکاولی دل آرا

پوچھا پریوں سے: کچھ خبر ہے
شہزادی بکاولی کدھر ہے؟

مُنہ پھیر کے ایک مُسکرائی
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی

چِتون کو ملا کے رہ گئی ایک
ہونٹھوں کو ہِلا کے رہ گئی ایک

بولا وہ کہ چُپ ہو کیوں سبب کیا؟
بولیں وہ کہ کہیے بے ادب کیا

ناتا پریوں سے اُس نے توڑا
رِشتہ ایک آدمی سے جوڑا

وہ سُن کے خفا ہوا، کہا: جاؤ
جس طرح سے بیٹھی ہو، اُٹھا لاؤ

پریاں اُڑیں، اوپر او پر آئیں
مہتابی پہ مثلِ ابر چھائیں

دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب

ہم بسترِ آدمی، پری تھی
سایے کی بغل میں چاندنی تھی

غافل جو مؤکلوں نے پایا
اُس نقشِ مُراد کو جگایا

جاگی، تو سب اُس کے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

بولیں کہ طلب کیا ہے، چلیے
جوڑا یہ خراب ہے، بدلیے

اُٹھی، اُسے جی کی طرح چھوڑا
بدلا مانندِ رنگ جوڑا

ساتھ اُن کے وہ تا بہ محفل آئی
لرزاں لرزاں مُقابل آئی

راجا نے نگاہ کی غضب سے
پوچھا کہ یہ بے حیائی کب سے؟

بُو آتی ہے آدمی کی، لے جاؤ
ناپاک ہے، آگ اِسے دکھلاؤ

شُعلہ سا پری کا جسم کانپا
مُنہ، دامنِ اشکِ تر سے ڈھانپا

پریوں نے کشاں کشاں نکالا
صندل آتش کدے میں ڈالا

کافور سی جل اُٹھی سراپا
ٹھنڈی ہوئیں، تھا جنھیں جلاپا

جو آتشِ گُل نے بے چمن سے — جھونکا اُسے آگ میں جلن سے
جس رُخ پہ تھی کا کُلِ مُعَنبرَ — تھا چشم زدن میں دُودِ اخگر
جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک — شعلے کے سوا نہ کچھ بھی تھا خاک
عیسیٰ نفس ایک خضر آئی — چھینٹے سے، جلی ہوئی جلائی
شعلے سے زیادہ پاک داماں — آکر، ہوئی انجمن میں رقصاں
ناچی گائی غریب ناچار — اغیار، ادا سے کر لیے یار
بَرخاست کا وقت صُبح دم تھا — راجا وہ کہ صاحبِ کرم تھا
بولا: جا، یوں ہی آئیو روز — جل بُجھ کے سدا سنائیو سوز
رُخصت پاتے ہی وہ ہوائی — پرّاں پرّاں ہوا سی آئی
پشواز کنارِ حوض اُتاری — شب کی پوشاک پہنی ساری
بے تاب آرام گہ تک آئی — ہم خواب کی آنکھ بند پائی
یوں سیج پہ آکے سوئی بے تاب — جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
وہ آہوِ مستِ خوابِ خرگوش — یعنی، تاجُ المُلوکِ بے ہوش
اُس شب کو، بغل میں آکے، جاگا — پر دوسری شب وہ، جاکے، جاگا
دیکھا تو وہ مُتَّصِل نہیں ہے — پہلو میں جگر کے، دل نہیں ہے
حاجت کے گُماں سے جب ہوئی دیر — جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
دائیں دیکھا، نظر نہ آئی — بائیں دیکھا، کہیں نہ پائی
عورت تھی، گمانِ بد سے کھٹکا — جانا، کہیں دل کسی سے اٹکا
اژدر نظر آیا، ڈر کا سایہ — سمجھا وہ پلنگ، چارپایہ
آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا — پَل مارتے ہو گیا سویرا
جاگا، تو پری بغل میں پائی — وہ نقشِ وفا عمل میں پائی
دانستہ خبر ہوا نہ بے تاب — گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
جب مہرِ فلک گیا لبِ بام — مہتابی پہ آئے وہ سرِ شام

معمول سے بزم میں ہوئے جمع
مینا و کباب و مجمر و شمع

جام اُس نے بھرا، کہا: پیا! لے
دل اُس کا بھرا تھا، جام کیا لے

ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
دیکھوں، جاتی کہاں ہے عیّار

بولا کہ ہیں دردِ سر کے کچھ طَور
میں آج نہ ہوں گا شاملِ دَور

ہٹ اُس نے جو کی، تو ہاتھ مارا
شیشہ ہوا چُور چُور سارا

ہوتی ہے جو نوکِ شیشہ، خنجر
چِرکے لگے اُس کی اُنگلیوں پر

بیداریِ شب کی گھات پائی
حکمت سرِ دست ہاتھ آئی

کف میں نمکیں کباب لے کر
چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر

بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب
بیدار رہا، تو آخرِ شب

پریوں نے ہَوا سے تخت اُتارا
ثابت ہوا، لوٹتا ستارا

سوتا اِسے جان کر، اُٹھی وہ
پوشاک بدلنے کو گئی وہ

اُس تخت کا، یہ، پکڑ کے پایہ
پوشیدہ ہوا بہ رنگِ سایہ

بَن ٹھن کے جب آئی رشکِ ناہید
ذرّہ ہوا ہم رکابِ خورشید

جاتے ہی زمیں سے آسماں پر
پہنچی اُس بزم میں سماں پر

لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
پُر صوت و صدا وہ دائرہ تھا

ٹھیکے پہ پہنچ کے، تخت ٹھہرا
مرکز پہ وہ نجمِ بخت ٹھہرا

آتش کدہ پریوں نے بنا کر
پھینکا اُسے، پھول سا اُٹھا کر

شہ زادہ کہ زیرِ تختِ زرکار
تھا پہلوئے گُل میں صورتِ خار

فریاد نہ کرنے پایا مضطر
تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر

راجا جس رُخ تھا محفل آرا
دل لیتی ہوئی چلی دل آرا

ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
آگے تھی پری، تو پیچھے سایہ

محفل میں جو آئی شمعِ محفل
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل

جو گاتی تھیں، بیٹھیں، مثلِ آواز
مُجرے کو اُٹھی وہ صورتِ ناز

وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی — خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
رقص اُس کا اگرچہ خوشنما تھا — سنگت کا پکھاوجی تھکا تھا
شہ زادے نے دیکھ دائیں بائیں — لیں طبلہ نواز کی بلائیں
آہستہ کہا: کہو تو آؤں — فرماؤ تو بندگی بجاؤں
اُس نے جو پکھاوج اِس کو دے دی — کیفیت، اِتّفاق نے دی
تھا سم پہ، یہ اُس پری کا نقشا — سب آنکھ ملا کے کہتے تھے: آ
محظوظ کیا جو سب کو اک بار — بخشا راجا نے نولکھا ہار
انداز سے اُس نے لے کے مالا — کاندھے پہ پکھاوجی کے ڈالا
بَرخاست کا تھا وہ رُخصتی ہار — برہم ہوئی بزم، اُٹھے سب اک بار
لے ہار، وہ شاہ زادہ فی الفور — پنہاں ہوا زیرِ تخت اُسی طَور
بادِ سَحَری چلی جو سن سے — وہ شمع، سدھاری انجمن سے
خورشید سے پہلے اُڑ کر آئی — تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
وہ حوض کے رُخ چلی، اُتر کر — یہ آنکھ بچا کے، سوئے بستر
وہ آئی، تو غافل اِس کو پایا — آغوش میں آ، گلے لگایا
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش — خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
اُس غنچہ دہن کا مُسکرانا — بے رنگ، بکاولی نے جانا
ہنستے ہنستے کہا: ہنسے کیوں؟ — ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں
بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا — آتش پہ کباب دیکھتا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر — دل سوزی کرے گا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو اُفق میں — خورشید تھا آتشِ شفق میں
بولی وہ کہ دہر سے شب و روز — عالم میں رہو گے رَونق افروز
بولا وہ کہ اک مقام ہُو تھا — گلزارِ خلیلؑ رُوبرُو تھا
بولی وہ: بشر ہو تم دلاور — سرسبز ہو قومِ آتشی پر

بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں
شعلہ، ہوا انجمن میں رقصاں

بولی وہ کہ شعلہ، میں پری ہوں
جو ناچ نچاؤ، ناچتی ہوں

بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا
بخشا مہِ انجمن نے ہالا

ہالہ مہِ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا

گھبرائی پری کہ ہیں، یہ کیا ہے!
بولا وہ کہ ہار نولکھا ہے

کاندھے پہ تھا جس کے رات ڈالا
پہچانتی ہو وہ طبلے والا!

کیوں جی! یہ اکیلے شب کو جانا
اُوپر اُوپر مزے اُڑانا!

یہ سُن کے، پری، وہ سوختہ تن
بولی کہ سُن او صلاح دشمن!

میں جا کے جلی، تو غم نہیں ہاے
ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آجائے

میرے جلنے پہ خاک ڈالو
تم نام نہ واں کے چلنے کا لو

افروختہ آتشِ حسد ہے
جلنا یہ، سپندِ چشمِ بد ہے

بولا وہ کہ یہ نہ ہوگا مجھ سے
میں دو قدم آگے ہوں گا تجھ سے

سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا
لیکن اُس نے کہا نہ مانا

عازمِ ہوا شب کو آتے ہی تخت
یا قسمت، یا نصیب، یا بخت

واں جا کے وہ سوچی: اس کو بے لاگ
لے چلیے، تو راجا لائے گا راگ

سنگت کا پکھاوج بتا کے
گائی یہ غزل، مقام پا کے

غزل

ساقی! قدحِ شراب دے دے
مہتاب میں، آفتاب دے دے

ساقی! باقی جو کچھ ہو، لے لے
باقی، ساقی! شراب دے دے

اُس بُت سے نہیں سوال کچھ اور
اپنے مُنہ سے جواب دے دے

لیلا میں نے تجھے بنایا
مجنوں مجھ کو خطاب دے دے

اُس گل سے نسیم! زر نہیں مانگ
جو چاہے وہ بے حساب دے دے

نصف پتھر ہو جانا بکاولی کا راجا اندر کی بددعا سے، اور بت خانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے، اور کھدنا بُت خانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیانِ سنگساری
یوں پائے قلم ہوا ہے بھاری

خوش لہجہ بہت بکاولی تھی
گانی اور ناچنی بڑی تھی

راجا نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے
جو چاہے آج مانگ مجھ سے

دکھلا کے اُسی پکھاوجی کو
مانگا کہ یہ دو بکاولی کو

ارمان یہی، ہوس یہی ہے
خاطر کی مُراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر، پری نے بے باک
راجا اندر ہوا غضب ناک

بولا کہ اِس آدمی کی یہ تاب
لے چشمۂ آفتاب سے آب!

کھویا تجھے تیری آرزو نے
جا تیری سزا یہ ہے کہ تو نے

کی ہے حرکت خلافِ آئیں
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں

اِس سختی سے کچھ دنوں رہے تو
بعد اُس کے خاک میں ملے تو

قالب ترا انقلاب کھائے
جامے میں تو آدمی کے آئے

بارہ برس اِس طرح گزر کر
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر

اُس وقت جہاں تو چاہے، جائے
تو اُس کو ملے، وہ تجھ کو پائے

روئی وہ بکاولی یہ سُن کے
تڑپا شہزادہ سر کو دُھن کے

خواہش جو بلائے جاں ہوئی وہ
ہلکا ہوا یہ، گراں ہوئی وہ

ناری تھی پری، ہوا بتائی
خاکی تھا بشر، زمیں جھنکائی

سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
اُفتاد کو سوچنے لگا وہ

سبزے کی دھوپ چھانو مخمل
صحرا میں بچھی تھی، سو گیا شل

چشمہ ایک آفتاب سا تھا — عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
پریاں کچھ اُدھر نہانے آئیں — دیکھا وہ بشر، تو کھل کھلائیں
بولیں: یہ وہی بکھاؤجی ہے — عاشق جس پر بکاولی ہے
وہ چونک کے بول اُٹھا کہ للہ! — بتلاؤ کہاں ہے وہ؟ کہا: آہ!
اندر کے غضب سے بن کے پتھر — ہے بُت سی وہ ایک مٹھ کے اندر
پوچھا کہ کدھر؟ کہا: بہت دور — بولا وہ کہ پھر؟ کہا کہ مجبور
یہ کہہ کے، اُتاری سب نے پوشاک — باہر ہوئیں جامے سے وہ بے باک
پردے کا جو کچھ خیال آیا — تن، چادرِ آب سے چھپایا
بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں — موجیں باہم اُڑا رہی تھیں
سوچا وہ کہ اِن کو دیجیے جُل — خس پوش کیے وہ جامۂ گُل
جب خوب وہ شعلہ رُو نہائیں — باہر بہ صد آب و تاب آئیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی — جانا کہ حریف نے اُڑائی
جھک جھک کے بدن چُراتی آئیں — رُک رُک کے قدم بڑھاتی آئیں
دکھلائی کسی نے چشمِ جادو — چمکائی کسی نے تیغِ ابرو
جھنجھلا کے کہا کہ لاؤ، مانو — ہم کو بھی بکاولی نہ جانو
بولا وہ: چہ خوش، تم ایسی کیا ہو! — ڈرنے کا نہیں ہیں، کیا بلا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہنچاؤ — بولیں وہ: چلو، کہا: قسم کھاؤ
عُریانی کے ننگ سے لجائیں — ستّار کی قسمیں سب نے کھائیں
شہزادے نے کر کے پاس اُن کا — خلعت سا دیا لباس اُن کا
پریاں ہوئیں رُخت سج کے خُرسند — ہو جیسے ہَوا حباب میں بند
شانے پہ چڑھا کے مثلِ گیسو — اُس گُل کو اُڑایا صورتِ بُو
واقف اُس بُت کدے سے تھیں وہ — سنگل دیپ اُس کو لے گئیں وہ
وہ جاے بکاولی بتائی — دیوانے کو باولی بتائی

بُت خانے میں تھا طلسم کا در ششدر ہوا چار سمت پھر کر
عُقدہ کُھلا شام ہو کر اُس کا شق مثلِ قمر ہوا در اُس کا
دیکھا تو وہ بُت تھی مٹھ کے اندر جسم، آدھا پری تھا، آدھا پتھر
تھی ناف سے لے کے تا بہ پا سنگ تھا کوہ، سُرین کے آگے پاسنگ
چومے جو قدم اُس آدمی نے سینے سے لگا لیا پری نے
نرمی سے کہا: بہ خیر گزری کس سختی سے تم بغیر گزری
ہم پر تو پڑے وہاں یہ پتھر تم کیوں کے بچے؟ کہا: مقدّر
گر پڑ کے زمیں پہ مثلِ شبنم پھر پریوں کی بھیڑ سے اُڑے ہم
جذبہ تم پاس کھینچ لایا سختی اب دُور ہو خدایا!
تا آخرِ شب فسانے کہہ کر بولی وہ پری کہ اے دلاور!
یہ در، مانندِ چشمِ بے خواب ہوتا ہے سحر کو بند بے تاب
پیش از دمِ صُبح تم نکل جاؤ کل پھر سرِ شام خیر سے آؤ
مَصرف کو جو ہو ضرورتِ زر زیور مرا مجھ سے لو، یہ کہہ کر
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے دامن پہ مثالِ اشک ڈالے
صدقے وہ بشر ہوا پری کے قدموں پہ گرا بکاولی کے
پانوں اُس کے چُھوئے، تو بچ پائے آنسو چھوڑے، گہر اُٹھائے
نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر پتھرا گئی چشمِ حلقۂ در
آنکھوں سے یہ دیکھنا ہوا قہر آگے کو بڑھا، چلا سوئے شہر
بازار میں جا کے بیچے گوہر مُفلس سے ہوا وہ صاحبِ زر
گھوڑا، جوڑا، نفر، حویلی جو جو شے چاہیے تھی، لے لی
جب منزلِ شب میں رہ رَوِ روز لے گوہرِ شبنم، آیا پُرسوز
گنبدِ گردوں کا تھا جو بے در تاباں ہوئے اُس میں ماہ و اختر
سیّاروں سے کر کے استخارا اُس بُرج کے رُخ وہ مہ سدھارا

دیکھا تو درِ قبول وا تھا — رگڑا اُنھیں ایڑیوں پہ ماتھا
شب، سایۂ زلف میں بسر کی — لی صُبح کے ہوتے راہ گھر کی
تقدیر نے راستا بُھلایا — راجا کے محل کی جانب آیا
چِتراوَت، اُس کی ماہ پارہ — غُرفے میں سے کرتی تھی نظارہ
دیکھا تو جوان تھا یہ تصویر — صورت پہ فِدا ہوئی وہ بے پیر
یاں پردۂ دَر نظر سے گزرا — واں تیرِ نظر جگر سے گزرا
دستور تھا، بیٹی جس کو چاہے — باپ اُس کا اُسی کے ساتھ بیاہے
راجا سے خوش خبریاں کی — مَشّاطۂ خوش ادا رَواں کی
شادی کی خبر سے وہ یکایک — خوش خوش آئی، کہا: مبارک
اِس شہر کا چِتر سین راجا — دُختر رکھتا ہے ماہ سِیما
ہر مُلک کے شہریار آئے — ہر شہر کے تاج دار آئے
راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر — طالع، قسمت، نصیب، تقدیر
بے جا وہ ہوا، کہا کہ جا جا — کیسی رانی، کہاں کا راجا
دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ — غُنچے کی گرہ میں کیا ہے جُز داغ
اُلفت میں ہے آبرو گنوانی — کب چشمۂ مِہر میں ہے پانی
مکّار! تو مجھ سے کرتی ہے زُور — دُر ہو مرے سامنے سے، چل دُور
ہٹ دیکھ کے اُس کی ہٹ گئی وہ — قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
پایا جو جواب مُنتظِر نے — آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
تقدیر کی بات ہونے والی — زَر سے ہوا اُس کا ہاتھ خالی
من سانپ کا ران سے نکالا — بازار آیا وہ سَرو بالا
کیا جوہری مُول کرتے اُس کا — راجا تک رفتہ رفتہ پہنچا
جو مُدّعیوں کا مُدّعا تھا — موقع وہ ملا، تو کیا بُرا تھا
جُھنجھلا کے، ڈرا کے، غُل مچا کے — سمجھا کے، دبا کے، دست پا کے

مَن چھین کے، چوری کے بہانے
بھیجا کُھلے بندوں قید خانے

زِنداں میں وہ نیم جاں، وہ بسمل
زنجیر میں پانو، زُلف میں دل

غم کھا کے، لہو کے گھونٹ پیتا
دَم کے دھاگوں سے ہونٹھ سیتا

داروغہ، مُحبَّسِ جَفا نے
رانی سے کہا کسی بہانے :

یوسُف کی خبر لے اُو زُلیخا !
زِنداں میں ہے وہ عزیز مرتا

اس چاہ میں، کام ہو نہ جائے
یہ ماہ، تمام ہو نہ جائے

دانا تھی وہ، جہل خانے آئی
بگڑی ہوئی کو بنانے آئی

دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دل گیر
تھی حلقہ بہ حلقہ زُلف و زنجیر

آنکھ اُس سے نہ جب ملائی اُس نے
زنجیر اُس کی ہلائی اُس نے

پابندِ وفا وہ مُبتلا تھا
کب اُس کو خیالِ بندِ پا تھا

رانی نے جو بے دِلی نگہ کی
بیڑی کٹوائی بے گُنہ کی

قدموں پہ گری، کہا: اُٹھو، آؤ
اِنکار و گریز جانے دو، آؤ

اُٹھا وہ پری کی آرزو میں
یہ سمجھی کہ پھانسا گفتگو میں

واں دُھن کہ صَنَم سے کدخُدا ہوں
یاں دِھیان کہ بُت کا پارسا ہوں

تجویز کے اپنے مفہوم
آئے، تو محل میں مچ گئی دھوم

راجا نے سِتارہ داں بُلایا
سَعدَین کا زائچہ مِلایا

دِن ڈھل کے، وہ ماہِ نَو، سرِ شام
غائب ہوا، سیر کرکے کچھ گام

دروازے کا مُٹھ کے دیدہ وا تھا
توبہ کا دَر کُھلا ہوا تھا

آیا، تو وہ کب سے تکتی تھی راہ
دیکھا تو کہا: کہاں رہے، واہ !

دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ
تلووں سے پری کے لگ گئی آگ

پوچھا کہ بَن آئی کس بُنی کی ؟
کس راہ کی زن نے رہ زنی کی ؟

توفیق یہاں تلک جو لاتی
مِہندی پانوں کی گِھس نہ جاتی !

قدموں سے لگا، پسا ہوا وہ
مِہندی کا جو رنگ تھا، کہا وہ

رانی کی وہ مہر دسر گرانی
راجا کی وہ قہر حکم رانی

مَن بیچتے، اپنا قید ہونا
داموں کے لیے وہ صَید ہونا

چترا وت کا وہ آپ آنا
سب کہہ کے کہا: خدا ہے دانا

شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی
بے تیرے، تھی مرگ، زندگانی

غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا
شادی کے بہانے، غم سے چھوٹا

پیاری! یہ نہیں حنائی چنگال
ہاتھ ایسے ملے، کہ ہو گئے لال

زنجیروں سے پانو ہے نکالا
زلفوں پہ نہیں ہے ہاتھ ڈالا

کالے ڈسیں، بال اگر چھوئے ہوں
چھالے پڑیں، گال اگر چھوئے ہوں

بگڑی وہ کہ چل، بنا نہ باتیں
مجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں

میری تجھے ایسی کیا لگی تھی
تلووں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو، دیکھ قید خانا
آسان نہیں کڑی اُٹھانا

پتھر کی اگر کہو، تو ہیں ہوں
فولاد جگر کہو، تو میں ہوں

سہنی ہوں جہاں کی سختی سُستی
آسایشِ جاں، نہ تندرستی

اِس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
سنگینیِ گراں، نہ جلنے کا داغ

قسمت سے، مفر ہے اب، نہ مامن
پتھر کے تلے دبا ہے دامن

کب چاہے گی عقلِ مصلحت سنج
تم تو کرو شادی، ہم کریں رنج

راضی ہیں، خدا کی جو رضا ہو
ہوتی ہے سحر، چلو، ہوا ہو

وہ معتقد، اُس کے پانو چھو کر
اُٹھا چھاتی پہ رکھ کے پتھر

آیا، تو وہ عروسِ زیبا
بستر پہ تھی شکلِ نقشِ دیبا

نیند آئی جو تھی بہ صد کدورت
تھی چیں بہ جبیں، شکن کی صورت

سوئی تو تھی انتظار میں وہ
جاگی، تو ملا کنار میں وہ

سوتے جو کٹی شبِ جوانی
سو، خفتہ نصیبی ابھی جاتی

تھے صبح سے دونوں شام جویاں
شب کو ہوئے داخلِ شبستاں

دونوں تھے تصوروں میں کامل خلوت خانہ تھا گوشۂ دِل

دو آنکھوں کی طرح ایک جا تھے پر دل جو ملا نہ تھا، جُدا تھے

کروٹ لے کر وہ عنبریں مُو اُٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو

چپکی ہوئی بیٹھ سے وہ دل گیر آئینے کی پُشت پر تھی تصویر

حیرت چھائی، تو کھو گئی یہ غفلت آئی، تو سو گئی یہ

غافل اُسے چھوڑ کر، اُٹھا وہ لپکا، تو پری کے رُخ گیا وہ

یہ جاگے، ہوئی وہ فتنہ بیدار دیکھا، تو تھا تکیہ جائے دلدار

دوری نے جو حد سے کی درازی جانا کہ کہیں ہے عشق بازی

اُس رات کو چُپکی ہو رہی وہ کل سمجھوں گی، کہ کے سو رہی وہ

وقتِ سحر اُس کو پا کے، رانی ہم بسترِ خوابِ سر گرانی

خلوت خانے سے باہر آئی دربانوں کے پاس در پر آئی

حکم اُن کو دیا کہ شام آج جانا ہمراہِ صاحبِ تاج

سایے کی طرح سے ساتھ رہنا جو آنکھ سے دیکھنا، وہ کہنا

جس وقت چلا، پری کا مانوس سایہ سے، پسِ قدم تھے جاسوس

وہ مٹھ، وہ پری مقام دیکھا وہ بُرج، وہ مہ تمام دیکھا

اِک اُن میں سے رانی پاس آیا کی عرض کہ لو، سُراغ پایا

صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے اِک مٹھ میں، مورت اِک پری ہے

آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا یک جا بُت و برہمن کو دیکھا

لعل و گہر ایک دُرج میں ہے شمس و قمر ایک بُرج میں ہے

آنکھ اُس کی یہ سُن کے خوں میں ڈوبی مرّیخ بنی، وہ ماہِ خوبی

یاں اُس نے کہا: وہ بُرج کھدواؤ واں بولی بکاولی کہ، لو، جاؤ

یاں سے چلے لوگ، واں سے وہ زار لپکا یہ اِدھر، اُدھر وہ خوں خوار

توڑا وہ مٹھ حباب آسا پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا

شہزادے کے آگے بے حیا نے
انعام دیا کھلے خزانے

پاس اُس کا ذرا نہیں کیا کچھ
اور اُس سے کہا کہ لُو، سنا کچھ!

بُنیادِ فساد کھود ڈالی
جاسوسوں نے کھود کر نکالی

غائب رہتے تھے روز، شب بھر
اب دیکھو گے جا کے خاک پتھر

سُنتے ہی، وہ بے قرار لپکا
دوڑا بے اختیار لپکا

دیکھا تو، وہ ماہ رُو، نہ وہ بُرج
وہ لعلِ گراں بہا، نہ وہ دُرج

شور اُس نے کیا کہ کیا یہ شر ہے؟
آواز آئی کہ بے خبر ہے

بُنیاد بر افگنی کی بانی
ہے سوت مری، تری وہ رانی

کُھدوایا جب اُس نے مُٹھ بہ صد جَور
رہنے کو ہمیں ملا مکاں اور

واں ٹھوکریں کھائی سخت تھیں تنگ
سنگت بجائے خویشتن سنگ

ہونا تھا یہی، تو شکوہ کیا ہے
جا، کچھ دلوں صبر کر، خُدا ہے

حیرت زدہ، چُپ، خموش، سُنسان
لوٹا ہوا دل، بندھا ہوا دِھیان

آیا، تو ہنسی وہ شوخ رانی
گویا وہ ہوا بہ خوش بیانی

تقدیر کو گُل کِھلانا تھا یوں
تو خار سے بیخ کَن ہوئی کیوں؟

دَوراں کو تھا انقلاب منظور
مُختار خُدا ہے، بندہ مجبور

اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس
راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس

جب کام رَوا ہوئی وہ رانی
گزری بہ ہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاولی کا دِہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاجُ المُلوک سے

نقطوں سے ہے اب قلم کا دِہقاں
صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں

جب مُٹھ کی رہی نہ بیخ و بُنیاد
جیسے کہ ہو گردِ باد، برباد

دِہقان تھے نئی زمیں کے جُویا — سَرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا
جب چَین سے کر چکے تردّد — کھیتی کی ہوئی زمیں پہ واشُد
دِہقان کی زُوجہ کے کھُلے بھاگ — کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ
کھاتے ہی حَمل کا ڈھنگ پایا — سرسوں سا ہتھیلی پر جمایا
وہ بانجھ تھی، جب حمَل قبولی — سرسوں، آنکھوں میں سب کی پھولی
اَیّامِ مُقرّری گزر کر — پیدا ہوئی اک حسینہ دُختر
صورت میں پری، جمال میں حُور — فِلفِل سی وہ ماں تھی پیشِ کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ — لوگ آنے لگے پَے نظارہ
وہ مُنتظِر ظہور نیرنگ — یعنی تاجُ الملوکِ دل تنگ
چرچا سُن کر چلا کہ دیکھوں — دیکھا، تو کھُبا نظر میں اَفسوں
جانا کہ پری وہ سوختہ تن — سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کُندن
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا — اِندر کا وہ قول یاد آیا
دِہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے — دولت صدقے، یہ سیم بر دے
دِہقاں نے کہا کہ میرے صاحب! — باتیں یہ تمھیں نہیں مناسب
دُختر جو پسند مہ لقا ہے — بِکتی نہیں، لعلِ بے بہا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار — جب تک کہ ہو کام کا نہیں بار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام — عورت ہو جواں، تو نکلے کچھ کام
یہ سوچ کے، گھر پھرا وہ دل سوز — آیا کیا اُس کو دیکھنے روز
دن دن اُسے ہو گیا قیامت — بُوٹا سی بڑھی وہ سَرو قامت
چلتی، تو زمیں میں سَرو گڑتے — باتیں کرتی، تو پھول جھڑتے
خواہاں ہوئے ہم وَقار اُس کے — دہقاں ہوئے خواستگار اُس کے
کہ بے سرو بَرگی اپنی دِہقاں — بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
شہزادے نے ایک دن پھر آکر — شادی کو کہا، حیا اُٹھا کر

دہقاں نے کہا کہ یا شہنشاہ!
تم کو وہ وقار، میں پرِ کاہ

صُحبت ہے برابری میں زیبا
نسبت ہے برادری میں زیبا

دہقاں زادی وہ بے مُحابا
بول اُٹھی کسان سے کہ بابا!

خواہاں سے مرے نہ ہو تو ناخُوش
ہے دُخترِ رَز، نصیبِ مے کش

مطلب کو سمجھ کے، گھر پھرا وہ
وقت آنے کا مُنتظِر رہا وہ

یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
واں لوگ اِرم کے گنتے تھے دن

گُزرا بارے جو عہدِ سختی
آئے ایامِ نیک بختی

دُخترِ وہ، پکڑ کے باپ کا ہاتھ
پچھواڑے مکاں کے لے گئی ساتھ

واں تھا کسی وقت کا دَفینہ
دکھلا کے، کہا: یہ لے خزینہ

کہنا نہ کسی سے، میں پری ہوں
تو کیا جانے، بکاولی ہوں

ایک آدمی زاد کی بدولت
لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت

ناگاہ سمن پری لیے تخت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رَخت

رخت اُس نے سج کے، تخت اُڑایا
دامانِ نظر سے مُنہ چھپایا

چِتراوت کا محل جدھر تھا
سوتا جس رُخ وہ سیم بر تھا

واں جا کے ہوئی وہ نُور آگیں
پروانے کی اپنے شمعِ بالیں

بیدار کیا وہ ماہ پیکر
جاگا، تو تھا آفتاب سر پر

اُٹھا جو وہ کہ کے، آؤ جانی!
آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی

مُنہ دیکھتے ہی بکاولی کا
سایہ اُسے ہو گیا پری کا

بولی وہ بکاولی سیانی:
ہے سَوت مری یہی وہ رانی!

بولا وہ کہ لونڈی ہے تمھاری
یہ کہ کے، اُسے کہا کہ پیاری!

چوٹی ہے میری ہاتھ ان کے
چل، آ، کہ چلا میں ساتھ ان کے

رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر
میں تیری ہوں، تو کسی کا ہو خیر

یہ بات بکاولی کو بھائی
شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی

اُڑتے ہی وہ تختِ سحر آگیں ‏ — ‏ کیا دُور تھا گلشنِ نگاریں
مدت کے جو بعد گھر میں آئے ‏ — ‏ کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے
فردوس کی بیسوا، وہ دلبر ‏ — ‏ محمودہ، دیونی کی دختر
چترا وت، چترسین کی جان ‏ — ‏ آرام ارم، بکاولی جان
ان چاروں میں ایک مستِ بادہ ‏ — ‏ پورب کا بادشاہ زادہ
پانچوں، سرِ پنجۂ وفا تھے ‏ — ‏ یا خمسۂ مطلعِ صفا تھے
ہوتے ہی حواسِ خمسہ، مجموع ‏ — ‏ آمد ہوئی اقربا کی مسموع
فیروز شہ و جمیلہ دانا ‏ — ‏ حسن آرا اور روح افزا
پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو ‏ — ‏ اطراف سے مملکت کے میں، تو
جو جو آیا، بلا تکلف ‏ — ‏ اک قافلے سے ملا وہ یوسف
سلطانوں کی قدر دانیاں کیں ‏ — ‏ مہمانوں کی میزبانیاں کیں
چندے رہا مجمعِ بد و نیک ‏ — ‏ رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
روح افزا سے، بکاولی کو ‏ — ‏ الفت تھی، روکی دل لگی کو
رکنا ہوا اُس پری کا مشکل ‏ — ‏ یہ دل لگی، اب لگائے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیر زادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونا بکاولی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم پہ داستاں یہ آئی ‏ — ‏ یوں شاخِ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاولی نے ‏ — ‏ روکا جو یہاں کئی مہینے
اک شب کہ وہ زلفِ مہ رُخاں تھی ‏ — ‏ یا آتشِ مہر کا دُخاں تھا
وہ مستِ مئے فسانہ گوئی ‏ — ‏ مہتابی پہ، چاندنی میں سوئی
سلطاں کا وزیر زادہ، بہرام ‏ — ‏ گل گشتِ چمن میں تھا گل اندام

لٹکی دیکھی پری کی چوٹی   ناگن سی اُس کے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاولی کے   بھاگا سایے سے اُس پری کے
جب کا کُل شب سے روئے خورشید   تاباں ہوا بہرِ چشمِ اُمّید
دیکھا تو ماہِ لوٗ کا تھا بُرج   رکھتا تھا دُرِ یگانہ وہ دُرج
بے تابی نے کچھ قرار پایا   مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی   سایے نے پری پہ کی چڑھائی
اُس فتنے کی خواب گہ تک آیا   مانندِ سُہا، وہ مہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی   ناگاہ وہ مستِ خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مُضطر   مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا کیے صحن تک وہ آیا   مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی   انساں کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر، وہ روح افزا   رخصت ہوئی گھر کو، رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام   تھا غم سے کنارِ گور، بہرام
تنہا وہ سمن پری تھی اِک روز   قدموں پہ گرا، کہا: بہ صد سوز
دل سے ہوں فدائے روح افزا   مرتا ہوں برائے روح افزا
بولی وہ: ارے بشر! بڑی ہے   روح افزا کیا بکاولی ہے!
شہزادے کے ڈھنگ پر نہ تو چل   ہمتائے فلک نہ ہوگا بادل
بولا وہ کہ مجھ سے اُس سے ہے راہ   شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ   لے پہنچی زنانے بھیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور   گل چہرہ پری، بنفشہ مشہور
پوشیدہ گھر اُس کے لائی اُس کو   مُنہ بولی بہن بتائی اُس کو
فردوس کی سیر کے بہانے   چھوڑا منزل پہ رہ نمانے
روح افزا کے لیے بنفشہ   گلدستہ بناتی تھی ہمیشہ

حاجت کو ذرا گئی جو باہر
بہرام نے پُشتِ آئنہ پر

تحریر کیا کہ بے مُرَوّت!
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت

افسوس مجھے تو آرزو ہو
اور آئنہ تیرے رو بہ رو ہو

لیکن تو زبس کہ خود نما ہے
خود بینی سے جو کرے، بجا ہے

یہ لکھ کے ہٹا، تو مالن آئی
گلدستہ پری کے پاس لائی

روح افزا کا سنگار کر کے
محو اُس کی ہوئی جو پیار کر کے

اُلٹا اُسے آئنہ دکھایا
خط سمجھی وہ، کاکُلوں کا سایہ

مضمون جو پڑھا، پری تھی دانا
نقشِ عَمَلِ نگار جانا

مَشّاطہ کو دیکھ کر اکیلی
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی:

ہاتھ آکر جو نہ پائے، وہ کون؟
ہو کر جو نظر نہ آئے، وہ کون؟

سوچی، تو نہ بوجھی وہ، کہا: کل
کہہ دوں گی، یہ کہہ کے آئی بے کل

بہرام، اُس سوچ کو سمجھ کر
بولا: کیا ہے؟ کہا اُلجھ کر

وہ جانتا تھا، نہ اِس کو سوجھی
بولا: لو، بات کیا ہے، بوجھی

ہاتھ آکے نہ پائے جو، وہ مجذوب
ہو کر نہ دکھائی دے، وہ محبوب

وہ سُن کے، جو دوسرے دن آئی
تقریر سُنی ہوئی، سُنائی

سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
پوچھا: کس نے بتائی ہے، یہ؟

بولی وہ: مجھے تو ہاں نہ سوجھی
مُنہ بولی بہن نے میری بوجھی

روح افزا نے کہا کہ ناداں!
ہمرہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں

بولی وہ: ابھی چلی میں، لائی
جا کر طلبی اُسے سُنائی

اِس مژدے کا مُنتظر ہی تھا وہ
ساتھ اُس کے زنانے میں گیا وہ

اَمرد کا لباس تھا زنانا
دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا

پوچھا: کہو، نام کیا؟ کہا: ننگ
پوچھا کہ نشاں؟ کہا: دلِ تنگ

یہ سُن کے، اِشارے سے بٹھایا
بادام، بنفشہ کو دکھایا

وہ جانی، کہا: یہ پردہ پوشی! ۔۔۔ گندم کے بہانے، جَو فروشی!
بہرام ہے تو، ارے وہی چور! ۔۔۔ رہ، تجھ کو بناؤں سحر سے گور
بدتمن سمجھ کے گور کا نام ۔۔۔ پنجرہ اک لائی وہ گُل اندام
طوق اُس کو طلسم کا پہنایا ۔۔۔ قمری اُسے، سرو نے بنایا
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی ۔۔۔ شب کو اُسے آدمی بناتی
غمّاز تھی اک خواص اُس کی ۔۔۔ دمساز تھی وقتِ خاص اُس کی
اِک دن پنجرہ اُڑا کے لائی ۔۔۔ حُسن آرا کو وہ کل سُجھائی
کھولا جو وہ بندِ سحرِ بنیاد ۔۔۔ دیکھا تو مجسّم آدمی زاد
گستاخ جو اُس بشر کو پایا ۔۔۔ غصّہ غضب اُس پری کو آیا
لوگوں سے کہا: ہٹاؤ اِس کو ۔۔۔ آتش کدے میں جلاؤ اِس کو
لوگ اُس کو لے چلے جلانے ۔۔۔ تقدیر کے سُنیے کارخانے
شہزادہ، بکاولی کے ہم راہ ۔۔۔ گزرا اُسی راستے سے ناگاہ
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام ۔۔۔ بُوتے ہیں تھا شکلِ نقرۂ خام
جلنے سے پناہ دے کے اُس کو ۔۔۔ فردوس میں آئے لے کے اُس کو
زندہ اُسے پا کے حُسن آرا ۔۔۔ بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
قابل ہے جلانے کے یہ فاسق ۔۔۔ روح افزا کا ہوا ہے عاشق!
بولی وہ بکاولی کہ قربان ۔۔۔ یہ کون سی فہم ہے، چچی جان!
پیاری کا جو اپنی ہووے پیارا ۔۔۔ کیوں کر ستم اُس پہ ہو گوارا
حُسن آرا نے کہا: بجا ہے ۔۔۔ تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے!
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار ۔۔۔ تب عیب نہ تھا، تو اب ہے کیا عار؟
کیا کہتی وہ، دم بخود سُنا کی ۔۔۔ سوچی، سمجھی رضا خُدا کی
مرسوم تھے جس طرح کے انداز ۔۔۔ شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
دو سازِ طرب ملے خوش آہنگ ۔۔۔ دو رازِ ادب کھلے بہ صد ننگ

شادی جو ہوئی، تو غم ہوا دُور — فردوس سے گھر کو آئی وہ حُور
گلزارِ، دا ہریں میں آکر — آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی اِن گلوں کو بے خار — سیرِ شبِ زُلف و صُبحِ رُخسار
جس طرح اُنھیں بہم مِلایا
بچھڑے ہوئے سب مِلیں خُدایا!

تاریخِ اختتامِ تصنیف

از مصنّف:

این نامہ کہ خامہ کرد بُنیاد — گُلزارِ نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد — توقیعِ قبول روزیش باد

۱۲۵۴ھ

فرہنگ

(الف)

آبِ رفتہ : وہ پانی جو بہہ چکا ہو۔

آبِ رفتہ جو میں پھر آگیا : مراد ہے، آنکھوں کی گئی ہوئی روشنی واپس آگئی۔

اُخگر : چنگاری

آرد : آٹا

آسا : طرح

آسمان سے تارے لے آنا : دشوار کام کرنا۔ ناممکن کام کرنا۔

آسَن : وہ کمبل یا بستر جس پر ہندو فقیر بیٹھ کر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ جوگیوں کے بیٹھنے کا طریقہ۔

آفتابہ : ایک قسم کا لوٹا جس کے پیچھے ہاتھ کے بچاؤ کے لیے دستی لگی ہوتی ہے اور اس کے مُنہ پر سرپوش ہوتا ہے۔

آنکھ تاڑنا : تیور سے مقصد سمجھ لینا۔

آنکھ خون میں ڈوبی : بے حد غصّہ آیا۔

آنکھوں میں سرسوں پھولنا : خوش ہونا

آنکھیں جھپکانا : پلک مارنا۔ جھینپنا۔ لحاظ سے آنکھیں نیچی کر لینا۔

آنکھیں چار ہونا : سامنا ہونا۔

آنکھیں دیکھی تھیں : صحبت اُٹھائی تھی۔ فیض پایا تھا۔

آنکھیں مانگنا : بینائی کا خواستگار ہونا۔ آنکھوں کی روشنی ملنے کی دعا کرنا۔

آہُو : ہرن

آواز پر لگا ہونا : آواز یا بولی پہچاننے سے کوئی کام کرنے کا عادی ہونا۔

(جیسے "پرند جو آواز پر لگے ہوتے ہیں وہ آواز سنتے ہی آجاتے ہیں۔")

آئینہ اُلٹا دکھانا : جب عورتیں کسی کا خوب بناو سنگار کرتی ہیں تو ٹوٹکے کے طور پر، نظرِ بد کو دفع کرنے کے لیے آئینہ اُلٹا کر کے دکھاتی ہیں۔

آئینہ دار : آئینہ رکھنے اور دکھانے کی خدمت جس سے متعلق ہو۔

کسی واقعے یا چیز کو پوری طرح ظاہر کرنے
والا۔
آئینہ ہے : ظاہر ہے
آئینے پر پانی ڈالنا : ایران میں رسم ہے کہ جب
کوئی شخص سفر پر جاتا ہے، تو چند سبز
پتے آئینے پر رکھ کر، اس پر پانی ڈالتے
ہیں، تاکہ وہ صحیح سلامت واپس آئے۔
اَبتَر : ناقص۔ خراب۔ آوارہ۔
اربابِ نشاط : گانے بجانے والے
ارغواں : ایک سرخ رنگ کا پھول
اِرَم : جنّت۔ شدّاد کی بنوائی ہوئی جنّت
جو نگاہوں سے غائب ہو چکی ہے۔
اَڑی پر : مشکل کے وقت ؛ بازی ہارنے کے
وقت۔
اَژدَر : اژدہا
اِخوان : بھائی
اِسپَند : ایک سیاہ بیج، جو نظرِ بد کو دُور کرنے
کے لیے آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ زچہ خانے
میں اُس کی دھونی دینے کا بھی معمول
ہے۔
اِستخارہ کرنا : کسی کام کے کرنے میں اشارۂ غیبی
چاہنا۔
اَسرار : بھید
اُشتُر : اونٹ
اِشتہا : بھوک
اِظہار : اہلِ مقدمہ یا گواہوں کا بیان
اِظہار لینا : حاکم یا کسی افسر کا اہل مقدمہ سے مقدمے
کے حالات دریافت کرنا، بیان لینا۔
اُفتاد پڑنا : اتفاقیہ حادثہ پیش آنا۔
اَفروختہ : روشن
اَفسر : تاج
اَفسوں : جادو
اَفعی : سانپ
اَقربا : رشتے دار
اَلقَط : ختم
اَلماس : ہیرا
اَلوان : طرح طرح کے
اَمرَد : نوعمر خوبصورت لڑکا جس کے داڑھی
مونچھ نہ نکلی ہو۔
انبوہ : بھیڑ
اَندام : جسم
اندیشہ : خیال
اَنگبیں : شہد
اَنگشتری : انگوٹھی
اُنھیں پانو : بغیر ٹھہرے ہوئے۔ فوراً بہت جلد
اُوپر اُوپر : الگ الگ : پوشیدہ۔ بالا بالا۔

اُوج : بلندی، مرتبہ، ترقی

اُوس پڑنا : اُداسی چھا جانا بے رونقی برسنا۔

اَوہام : وہم کی جمع

اَیاغ : شراب پینے کا پیالہ۔ پیالہ

ایاغ برکف : ہاتھ میں پیالہ لیے ہوئے۔

اِیجاب : قبول کرنا۔

ایک دم کی سانس نہیں ہے : تھوڑی دیر بھی زندہ رہنے کی امید نہیں۔ (ص ۶۸)

اَیوان : محل

(ب)

بادام دکھایا : آنکھ کے اشارے سے جانے کا حکم دیا۔

بادِ چمن خراماں : باغوں باغوں چلنے والی ہوا، مراد ہے بکاولی سے جو گلچیں کی تلاش میں گھوم رہی تھی۔

بادشہِ حبابِ افسر : وہ بادشاہ جس کے سر پر بلبلے کا تاج ہو، یعنی تاج سے محروم مصیبت زدہ۔

بادہ : شراب

باد ہوائی : (بغیرِ اضافت) : لغو، بیہودہ، بے معنی۔

بادیہ گرد : جنگل میں پھرنے والا۔

بار : پھل۔ بوجھ۔

بار بردوش : کاندھے پر سامان یا بوجھ اُٹھائے ہوئے۔

باروَر : صاحبِ اولاد

باری : پیدا کرنے والا۔ خدا

بارے : الغرض۔ آخر کار

باعث : سبب

بال باندھی : غلاموں کی طرح تابعدار

بالادری : گلزارِ نسیم کے سارے قدیم نسخوں میں یہی لفظ ہے لیکن لغت میں نہیں ملتا۔ غالباً یہ بارہ دری کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

(بارہ دری : بارہ دروازوں کی ہوادار عمارت جو اکثر دریا کے کنارے یا باغ میں بنا لیتے ہیں۔ اب بارہ سے کم دروازوں والی عمارت کو بھی کہتے ہیں۔)

بالفعل : اسی وقت۔ فی الحال

بالی : کم عمر لڑکی

بالیں : سرہانا

باوَر : یقین

بجنس : اسی طرح

بداختر : بدنصیب

بدا ہوا تھا : قسمت میں لکھا تھا

بدطرازی : بُری روش (کنایہ ہے مصیبت سے)

بدیُمن : منحوس

برق دم : بہت تیز۔ چالاک

برقِ دماں : چمکنے والی بجلی

بروگی : عاشق

برہم زدہ بزم : اُجڑی ہوئی محفل

بَصَر : بینائی

بُطون : بھید۔ ارادہ

بُقعَہ : جگہ۔ زمین کا وہ ٹکڑا جو اور ٹکڑوں سے ممتاز ہو۔

بَلاچیں : بلائیں لینے والی۔

بندِ سحر بنیاد کھولا : جادو کی قید سے نکالا۔ جادو اُتارا۔

بندگی بجالانا : تابعداری کرنا۔ خدمت کرنا۔

بُوتہ : کُٹھالی، جس میں سونا چاندی گلایا جاتا ہے۔

بھاگ : نصیب

بھاگ کُھلے : قسمت جاگ اُٹھی۔

بھبھوکا ہونا : غضب ناک ہونا۔

بے بصر : اندھا۔ (مراد ہے ناواقف سے)

بے بَہا : بے حد قیمتی، جس کی قیمت کا اندازہ ہی نہ لگایا جاسکے۔

بے پیر : وہ شخص جس کا کوئی گرو یا مرشد نہ ہو۔ بیدرد۔ بے رحم۔ خود غرض۔ شریر۔

بیبت : گھر۔ شعر۔

بے ثبات : ناپائدار۔ کمزور

بے جا ہوا : ناراض ہوا

بیخ : جڑ۔

بیخ کُن : جڑ کھودنے والا۔ تباہ کرنے والا

بے خار : بے خوف و خطر۔

بے رُخ ہونا : ناراض ہونا۔ بگڑنا۔ تیوری چڑھانا۔ یہاں مراد ہے صورت بدلنے سے اور پریشان ہونے سے۔

بے رنگ : بے موقع۔

بے سروبرگی : بے سروسامانی۔ غریبی۔

بیسوا : طوائف

بے طرح : حد سے زیادہ

بے لاگ : طرفداری کے بغیر کسی کے بغیر

بے مُحابا : بے دھڑک۔ بے تکلف

بے مہری : بے وفائی۔ بے رحمی

بینائی کے چہرے پر نظر کی : بینائی کا چہرہ کاٹ دیا۔ بینائی کو کھودیا۔

بے ننگ : بے حیا۔ آزاد۔

(پ)

پابوسی : پیر چومنا۔ آداب بجالانا۔ مجازاً بڑوں سے ملاقات کرنا۔

پاسا : (پانسا) چوسر کی بازی میں وہ شش پہلو ہڈی کا بنا ہوا ٹکڑا، جس کو باری باری سے ہر ایک کھلاڑی پھینکتا ہے اور جس

پر عدد کی جگہ نقطے بنے ہوتے ہیں۔

پاسنگ تھا: بے حقیقت تھا۔ مقابلے میں کچھ نسبت نہیں رکھتا تھا۔

پامردی : ہمت۔ بہادری۔ مضبوطی

پانو بھاری ہونا : ہمت پست ہو جانا۔ رک رک کے چلنا۔ حاملہ ہونا۔

پائے قلم بھاری ہوا ہے : قلم رک رک کے چل رہا ہے

پائمردی : بہادری۔ استقلال۔ مضبوطی۔ ہمت۔

پتا ہونا : اُڑ جانا۔ غائب ہو جانا۔ ہَوا ہو جانا۔

پتھر پڑنا : مصیبت پڑنا۔

پتھر تلے دامن دبنا : مصیبت میں پھنسنا بے قابو ہونا۔

پتھرکی : بہت ضبط کرنے والی۔

پشواز : عورتوں کی گھیر دار پوشاک جو خاص وضع کی ہوتی ہے۔ وہ گھیر دار پوشاک جو ناچنے کے وقت پہنی جاتی ہے۔

پُر : بہت۔ لبریز۔ بھرا ہوا۔

پُر تگ ودو : بہت دوڑ دھوپ میں مصروف۔

پرّاں : اُڑتا ہوا

پَر تو : روشنی۔ جھلک

پُر خسک : کانٹوں سے بھرا ہوا

پرستار : غلام۔ باندی

پرِ کاہ : گھاس کا تنکا

پر و بال نکالنا : شرارت کرنا۔ فتنہ اُٹھانا۔

پَروین : چھے چھوٹے چھوٹے ستارے جو آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ عقدِ ثریا

پری : خوبصورت۔ نازک

رخِ پری : نہایت حسین چہرہ

پِسا ہوا : مصیبت کا مارا

پس ماندہ : جو شخص پیچھے رہ گیا ہو۔

پکھاوَج : طبلے کی وضع کی لمبوتری ڈھولک اسی کو دو حصّوں میں تقسیم کرکے بنانے سے طبلے کی ایجاد ہوئی۔ (فرہنگ اصلاحات پیشہ وراں)

پکھاوَجی : پکھاوج کا بجانے والا۔

پَل : پلک کا مخفف۔ دم۔ لحظہ۔

پَل مارتے ہی : پلک جھپکاتے ہی۔ ایک لمحے میں۔

پُنبہ : روئی

پنجتن : اصطلاحاً مراد ہیں، رسول اللہؐ، حضرت فاطمہؓ۔ حضرت علیؑ۔ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ

پنج شاخہ : لوہے کا وہ پنجہ، جس کو بانس کی لکڑی پر لگا دیتے ہیں اور اس میں پلیتے لگا کر روشن کرتے ہیں۔

پانچ شاخوں والی ایک قسم کی شمع۔

پَو پھٹنا : صبح ہونا۔

پوربی : پورب والا۔ ایک راگنی کا نام۔

پوستین: چمڑے کا لباس۔ بال دار چمڑے کا کوٹ۔

پھاگ : ہولی کے کھیل تماشے۔ عیش وعشرت کے سامان۔

پے : واسطے۔ پیچھے

پیٹھ دکھانا : شکست کھانا۔

پیچ : بل۔ دقت۔ مشکل۔

پیَراہن : لباس

پیرِ دیرین : بہت بوڑھا

پیشِ پاافتادہ: سامنے کی چیز جس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ بہت معمولی چیز

پیش خیمہ : وہ خیمہ جو امیروں کے سفر میں آگے آگے لے جایا جاتا ہے تاکہ منزل پر پہنچ کر خیمے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ کسی کام کے ظاہر ہونے کا سامان۔

پیش دستی کرنا : پہل کرنا۔ سبقت کرنا۔

پیش گاہ : سامنے۔ دربار

پیش وپس : آگے پیچھے۔ دُبدھا۔ سوچ بچار

پیوند : جوڑ۔ ایک درخت کی دوسرے ہم جنس درخت میں قلم لگانا۔

(ت، ٹ، ث)

تاب : چمک۔ طاقت

تاراج : لوٹ

تازیانہ: کوڑا

تانا : آزمانا

تبر دار: لکڑہارا۔

تپ : بخار

تر زباں: خوش بیان۔ فصیح

ترَدُّد : زراعت۔ کاشت کاری۔

تسخیر کرنا : فتح کرنا۔ قبضہ کرنا۔

تعجیل : جلدی

تغییر : بدلنا۔

تُفنگ : بندوق۔ توپ

تکیہ : فقیر کے رہنے کی جگہ

تگ ودو: دوڑ دھوپ

تمثال : صورت۔ طرح

تلووں سے آگ لگنا : بہت غصے ہونا۔

تم کو خیر ہے : جب کوئی شخص کسی ایسے کام کا ارادہ کرے جو اس کے لائق نہ ہو یا بعید از قیاس ہو تو کہتے ہیں "تم کو خیر ہے" یعنی یہ کام نہ کرو۔ یا یہ امر غیر واقعی ہے (آصفیہ)

تمکین : مرتبہ۔ وقار۔ شان وشوکت۔

ٹیکرا (بیائے معروف) : ٹیلا

ٹھیکا : نشست گاہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ گانے کے ساتھ طبلے یا ڈھولک کو ایک خاص طریقے سے بجانا۔

ثَمرہ : نتیجہ۔ حاصل۔ عوض

(ج ۔ چ)

جاگزیں : قیام کرنے والا۔ ٹھہرنے والا

جامِ سرشار : لبالب جام

جان : جن

جانبین : دونوں طرف

جُبہہ سا ہونا : منّت سماجت کرنا۔ ماتھا رگڑنا۔

جَدوَل : صفحے کے چاروں طرف جو لکیر کھینچی جاتی ہے۔

جَراحت : زخم

جسمِ پائیں : نیچے کا دھڑ

جُگ ٹوٹنا : دو متفق آدمیوں کا الگ الگ ہوجانا۔ چوسر کی دو گوٹوں کا الگ الگ ہوجانا۔ (چوسر کے قاعدے کے مطابق جب تک دو گوٹیں ایک خانے میں رہتی ہیں، ان کو مار نہیں سکتے۔)

جِلَو : ساتھ سواری کے ساتھ کا ٹھاٹھ جیسے ماہی مراتب، باجا وغیرہ

جامِ جہاں نما : وہ پیالہ جس کے لیے کہا جاتا ہے کہ ایران کے بادشاہ جمشید یا کیخسرو نے بنوایا تھا اور جس سے ازروے نجوم آیندہ کا حال معلوم ہوجاتا تھا۔

جَم : جمشید، ایران کا مشہور بادشاہ۔

جناب : درگاہ۔ آستانہ۔

جنگلا : جنگل، ویرانہ۔ ایک مشہور راگنی کا نام۔

جُو (واو معروف) : نہر

جواہر آگیں : جواہر سے بھرا ہوا۔ مرصّع۔

جوشِش : اُبال۔ تیزی

جوگیا : سُرخی مائل رنگ، گیروا رنگ ایک راگنی کا نام۔

جہاں جہاں : بہت زیادہ۔

جہاں گرد : سیاح۔ ملکوں ملکوں سفر کرنے والا۔

جویا : ڈھونڈھنے والا۔

جی بُجھانا : ہمت توڑ دینا۔

جی چُرانا : کسی کام سے بچتے پھرنا۔ بہانہ کرنا۔ حیلہ ڈھونڈھنا

جَیحوں : ایک مشہور دریا کا نام جو بلخ کے قریب ہے۔

جِیغہ : (یاے معروف) ایک مرصّع زیور کا نام، جو پگڑی پر باندھا جاتا تھا۔

چالاکی : تیزی

چَتر : ایک قسم کی چھتری جو بادشاہوں کے

سر پر لگائی جاتی تھی۔

چراغ برکف : ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے۔
[یہ اشارہ ہے فارسی کے مشہور مصرع
کی طرف۔ ؎
چہ دلاور است دزدیکہ بکف چراغ
دارد۔ یعنی کیسا دلاور چور ہے کہ
ہاتھ میں چراغ لے کر چوری کرنے
کے لیے آیا ہے]

چراغی : نذرانہ۔ وہ نقدی جو کسی مزار پر یا کسی بزرگ کے نام پر فاتحہ دیتے وقت کسی چیز پر رکھ کر، چراغ کے نیچے رکھ دیتے ہیں اور اس کو فاتحہ دینے والا لے لیتا ہے۔

چراغی لینا : نذر لینا۔

چراغ پا : اُکھڑنا۔ نہ جمنا۔ ناراض ہونا۔

چراغ گل ہو جانا : خاندان کا نیست نابود ہو جانا۔

چشم آشنا : پہچاننے والا۔ جاننے والا۔

چشم پوشی کرنا : آنکھ چرانا۔ کسی چیز کو نظر انداز کرنا۔
[نورِ بصر سے چشم پوشی کی۔ آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔

چشمِ حلقۂ در : مراد ہے مٹھ کے دروازے سے۔

چشمِ حلقۂ در پتھرا گئی : دروازہ بند ہو گیا۔

چشم زدن میں : پلک جھپکاتے ہی۔ ایک لمحے میں۔

چشم زخم : وہ نقصان جو نظرِ بد کے اثر سے کسی اچھی چیز کو پہنچے۔

چشمک : آنکھ سے اشارہ کرنا۔ رنجش، ناراضی۔

چشم و ابرو : اشارے۔ انداز

چشم و ابرو دکھاتا تھا : گھورتا تھا۔ ڈراتا تھا۔

چشم و چراغ : نہایت عزیز۔ بہت پیارا۔
[مراد ہے چوہے اور بلی سے۔

چمن چمن خوش تھا : بہت خوش تھا۔

چندے : کچھ مدت۔ چند روز۔

چندے خورشید چندے مہتاب : چمک دمک میں چاند سورج سے بڑھ کر ہے۔
[اصل مثل یوں ہے: چندے آفتاب چندے ماہتاب]

چنگال : چنگل، پنجہ

چنور (نون غنہ) : مورچھل۔ وہ بالوں کا گچھا جس سے مکھیاں اڑاتے ہیں۔

چوبائی ہوا : چوطرفی ہوا۔ وہ ہوا جو چاروں طرف چلے۔

چوٹ لگنا : صدمہ پہنچنا، ضرب لگنا، اثر ہونا۔

چوٹ کرنا : کاٹنا۔ ڈسنا۔ وار کرنا

چوٹی ہاتھ ہونا: قابو اور اختیار ہونا۔

چوسر : پچیسی: اس میں ۱۶ مُہرے ہوتے ہیں چھالیہ کی ڈلی کی شکل کے چار رنگ کے۔ انھیں نَرد یا گوٹ کہتے ہیں۔ چوسر، پانسے سے کھیلی جاتی ہے اور پچیسی، کوڑیوں سے۔

چھاتی پہ پتھر رکھ لینا : صبر کر لینا۔ ضبط کرنا۔ چُپ ہو رہنا۔ تکلیف سہ لینا۔

چہ ذقن : ٹھوڑی کا گڑھا۔

چہرے پر نظر کرنا : دفتر سے نام کاٹ دینا۔ (پرانی دفتری اصطلاح ہے)

(بینائی کے چہرے پر نظر کی : بینائی جاتی رہی

چھکے چھوٹنا: گھبرا جانا۔

چھُوت : ناپاک آدمی یا چیز کا سایہ۔ سایہ۔ ناپاکی

چھوٹ: پٹیت یا پھکیت کا آپس میں اس طرح مقابلہ کہ حریف کو اجازت ہو کہ وہ جہاں موقع پائے، بے قاعدہ وار کرے۔

چھوٹ پہ تھی : وار کرنے کی فکر میں تھی لُوٹنے کی فکر میں تھی

(ح)

حد باندھنا: سرحد مقرر کرنا۔

حربہ : لڑائی کا ہتھیار۔ وار۔ حملہ

حرف : بات۔ عیب۔ نقص۔

حرف زَن : بات کرنے والا

حرف آنا: الزام آنا۔ عیب لگنا۔

حصار : احاطہ، گھیرا۔

حصارِ سحر خوانی : عامل جب عمل پڑھنے بیٹھتا ہے تو کچھ خاص افسوں یا دعائیں پڑھ کر اپنے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ لیتا ہے تاکہ ہر بلا سے محفوظ رہے۔

حلقۂ دَر : کڑا۔ لوہے یا لکڑی کا گول کُنڈا۔ دروازے کی محراب۔

حلوائے دود [حلوائے بیدود]: شیریں میوے (اس لیے کہ وہ آفتاب کی گرمی سے پکتے ہیں اور آگ کا دھواں ان کو نہیں پہنچتا) کنایتہً، نرم اور لذیذ چیز۔

حواسِ خمسہ : پانچوں حواس۔ دیکھنے۔ سننے۔ سونگھنے۔ چکھنے، چھونے کی طاقتیں۔ مراد ہے تاج الملوک اور اس کی چاروں بیویوں سے

حواسِ خمسہ مجموع ہوتے ہیں : ان سب کے جمع ہوتے ہیں۔

(خ)

خاتَم : انگوٹھی

خار : کانٹا، حسد، جلن

خارا : سخت پتھر

خار دینا : تکلیف پہنچانا۔

خار سے : حسد سے

خاک اُڑانا: جستجو میں آوارہ ہونا۔ رسوا ہونا، تباہ ہونا۔

خال : تل

خالِ روئے شامت : مصیبت کے چہرے کا تل۔ (مراد ہے کہ وہ اندھیری رات مصیبتوں سے بھری ہوئی تھی۔)

خال و خط: ناک نقشا۔

خام پارہ : مکّار عورت۔ (گالی ہے)

خامہ : قلم

خانہ داماد: وہ داماد جو اپنی سسرال میں رہنے لگے۔

خَجلَت : شرمندگی

خُدائی چھان کر : ساری دنیا میں تلاش کرکے۔

خرگاہ : بڑا خیمہ

خِرمن : کھلیان

خَزانہ : پانی کا ذخیرہ رکھنے کی جگہ۔

خَس : تنکا

خَس پوش : وہ چیز جس کو سوکھی گھاس سے چھپا دیا گیا ہو۔

خَسک : کانٹے، جن کو گوکھرو کہتے ہیں۔

خَشم : غصّہ

خصم : دشمن

خِضر ملے : مراد حاصل ہوئی۔

خِضر ہونا : رہبری کرنا، راستہ دکھانا۔ مراد ہے اندھے فقیر کی آنکھوں کو روشن کرنے سے۔

خطِ توأماں : خط کی ایک قسم جس میں دو ورقوں کے ایک ایک صفحے پر مختلف نقوش کھینچے جاتے ہیں اور اُن دونوں ورقوں کو آپس میں ملا دینے سے موٹے موٹے سفید حروف ظاہر ہوتے ہیں۔

خُفتہ نصیبی : بدنصیبی

خمسہ : وہ نظم جس میں پانچ پانچ مصرعوں کا ایک بند ہو۔

خمسۂ مطلعِ صفا : دل کی پاکیزگی کے لحاظ سے پانچوں یکساں تھے۔

خوابِ خرگوش: غفلت کی نیند

خوابیدہ : سوئے ہوئے

خواستگاری: درخواست۔ تمنّا

خَواصی : ہودج کے پیچھے وہ جگہ جہاں بادشاہ یا امرا کی سواری کے وقت، اعلامرتبے

کا ملازم بیٹھتا ہے۔
خواصی میں بیٹھنا : بادشاہ یا امیر کے پیچھے
سواری میں بیٹھنا۔
خواہر : بہن
خود بینی : غرور
خود نُما : مغرور
خوش آہنگ : خوش آواز
خوشہ : گچھا (انگور کا)
خوش باش : آزاد، بے فکر۔
خویش : داماد
خونیں رقم : خون سے تحریر لکھنے والا رنج و غم
کی باتیں لکھنے والا۔
خیاباں : وہ راستہ جو باغ کے بیچ میں ہوتا
ہے۔
خیرہ : بے حیا، بے باک
خیل : گروہ
خیل کے خیل : گروہ کے گروہ
خیل و خدم : نوکر چاکر، سپاہی

(د۔ ڈ۔ ذ)

داغنا : لوہے وغیرہ کی کوئی چیز گرم کرکے
اُس کا نشان جسم پر ڈال دینا۔ پہلے
دستور تھا کہ آزاد کرتے وقت غلام
کی پیٹھ یا سُرین پر داغ دیتے تھے
تاکہ ہمیشہ نشان قائم رہے۔
داغ ہونا : رنج ہونا۔ صدمہ ہونا۔
داماد : دولھا
دانہ افشاں : دانہ چھڑکنے والا۔
دائرہ : حلقہ۔ مجلس
دف : چوبی گھیرے پر ایک طرفہ کھال
سے منڈھا ہوا باجا۔
دُخان : دھواں
دُخت : لڑکی
دخترِ رز : شراب۔ کنایتہً محبوب
دُرج : ڈبا
دُرماں : علاج
دُر ہو : کلمۂ تحقیر، دُور ہو۔ نکل۔
دریا رویا : بہت رویا۔
دُرِ یگانہ : نہایت قیمتی موتی۔
دست آویز ہاتھ آئی : پورا ثبوت مل گیا۔
دست بُرد : غبن۔ خیانت
دستِ بیضا : روشن ہاتھ۔
حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ، جو آگ پر ڈالنے
سے جل گیا تھا۔ خدا نے آپ کو یہ معجزہ
بھی عطا کیا تھا کہ جب آپ اس ہاتھ
کو بغل میں لے جاکر باہر نکالتے تھے تو
ہاتھ کا وہ داغ، سورج کی طرح روشن

ہو جاتا تھا۔
دست پا کے : قابو پا کر۔
دُسترس : پہنچ۔ قابو۔
دستور : وزیر۔ قاعدہ
دغل باز : مکّار۔ فریبی
دل سوزی : ہمدردی۔ خیر خواہی۔ غمگساری
دل خواہ : پسند کے مطابق۔ مرضی کے موافق۔
دل زار : جس کا دل پریشان ہو۔
دل پر رکھنا : کسی اہم کام کا ارادہ کرلینا۔
دَم دھاگا : دھوکا۔ فریب
دم دینا : فریب دینا۔ بہکانا
دم دے کرلے آئی تھی : بہکا کرلے آئی تھی۔
دَم ساز : رازدار
دم سینے میں نہ سمانا : زیادہ مشقت کرنے سے ہانپنے لگنا۔
دم کا دھاگا : سانس کو دھاگا فرض کیا گیا ہے۔
دو آتشہ : وہ شراب یا عرق جو دو بار آگ پر رکھ کر کھینچا گیا ہو۔ بہت تیز شراب۔
دَوا دَوِش : دوڑ دھوپ
دُود : دھواں
دُھت : عادت۔ دُھن۔
(فیلبان ہاتھی کو چلانے کے لیے دُھت دُھت کا کلمہ استعمال کرتے ہیں۔)
دَہَل : گھبراہٹ۔ تردّد۔
دھوپ چھاؤں : دو رُخا۔ دو مختلف رنگوں کے تانے بانے سے بنا ہوا کپڑا، جس کی سطح پر روشنی میں دو رنگی موج دکھائی دے۔ عام طور سے سُرخ اور سبز تانے بانے کا پسند کیا جاتا ہے۔
دیبا (بائے معروف) : ایک مشہور ریشمی کپڑا۔
دیس : ملک۔ وطن۔ ایک راگ کا نام جو آدھی رات کو گایا جاتا ہے۔
ڈانڈا (نون غنّہ) : سرحد۔
ڈھیٹھ : (ڈھیٹ) بے شرم۔ سرکش، جو کسی کا کہنا نہ مانے۔
ذِکر اُٹھانا : ذِکر چھیڑنا۔ بات شروع کرنا۔
ذَکی : ذہین، ہوشیار
ذی جاہ : مرتبے والا۔

(ر)

راست مو بر اندام : رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔
راستہ بتانا : ٹال دینا، حیلے حوالے کرنا۔
راگ لانا : جھگڑا نکالنا۔ بگڑنا۔ لڑنے کو تیار ہونا۔

راہ کی زَن : بازاری عورت
راہ ہونا : محبت ہونا۔ ربط ہونا۔
رخت : لباس۔ سامان
رَخنہ بندی : سوراخ کو بند کرنا۔
رَدی : خراب
رِشتہ : ڈورا۔
رِشتۂ نَفَس : سانس کے آنے جانے کا سلسلہ۔
رَفعِ شر : جھگڑا فساد دُور کرنا
رگِ شمع : شمع کا ڈورا
رَم کرنا : وحشت کرنا۔ نفرت کرنا۔ بھاگنا۔
رو بہ راہ : آمادہ۔ تیار۔ درست
رُوداد : قصّہ۔ داستان
رُونمائی : مُنہ دکھائی۔ نذر (رونمائی اُس رقم کو کہتے ہیں۔ جو شوہر کے رشتے دار، دولھن کا مُنہ دیکھ کر دیتے ہیں۔)
رہ رو روز : مراد ہے سورج سے۔
ریگ : ریت
ریگ ماہی : ریت کی مچھلی۔ سقنقور۔ مچھلی کی قسم کے ایک جانور کا نام جو گوہ یا سانڈے کی مانند ہوتی ہے، عرب کے ریگستان میں زیادہ پائی جاتی ہے اور قوتِ باہ کے واسطے نہایت مفید خیال کی جاتی ہے۔
ریگِ رواں : چمکتی ہوئی ریت جو پانی کی طرح بہتی ہوئی نظر آتی ہے۔
رِیو : مکر۔ حیلہ

(ز)

زار نالی : رونا دھونا۔ آہ و فریاد کرنا۔
زائچہ : جنم پترا۔ وہ کاغذ جو نجومی بچّے کی پیدایش کے وقت بناتے ہیں، جس میں بچّے کی تاریخ، سنہ وغیرہ درج ہوتا ہے۔ اس وقت مختلف سیارے جہاں جہاں ہوتے ہیں وہ ایک آسمانی نقش میں بنا دیے جاتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر ہر نجومی اس کی تمام عمر کا نیک و بد کا حال بتایا کرتا ہے۔
زباں کُشائی : زبان کھولنا۔
زِچ کرنا : تنگ کرنا۔ عاجز کرنا۔ (شطرنج کے بادشاہ کو بغیر شہ کے کوئی گھر نہ رہے اور کوئی مہرہ بھی نہ چل سکتا ہو۔ اُس وقت کہتے ہیں کہ بازی زچ ہوگئی۔ بادشاہ زچ ہوگیا۔)
زَردہ : زرد رنگ کے خوشبودار میٹھے چاول (مزعفر) پان کے ساتھ کھانے کا تمباکو
زَرکار : جس پر سونے کا کام کیا ہوا ہو۔ جڑاؤ۔ پھول کے اندر جو زیرہ ہوتا ہے۔

زمانِ باستانی : گزرا ہوا زمانہ۔ پرانا زمانہ۔
زُمرّدیں : ہرا
زُنبُور : شہد کی مکھی
زنبُورِ سیاہ : کالی بھڑ
زَوج : بیوی
زُور (واو معروف) : مکر

(س)

سادہ : بے ہنر، بے وقوف۔
ساز کیا : سامان کیا، تیاری کی۔
سایہ : آسیب۔
ساعت ٹھہرانا : تقریب یا سفر یا کسی اور کام کا وقت مقرر کرنا۔
ساعِد : بازو۔ کلائی
ساعی : کوشش کرنے والا۔
ساکنِ خانۂ سلاسل : زنجیروں میں قید۔
سانس پانا : موقع پانا، آسرا پانا۔
سبز باغ : فریب۔ دھوکا۔
سِپَنْد : (اسپند) کالا دانہ۔ ایک قسم کا سیاہ بیج ہوتا ہے جس کو نظرِ بد دور کرنے کے لیے جلاتے ہیں۔
ستّار : عیب چھپانے والا۔ خدا کا ایک نام۔
ستارہ بیں : نجومی
ستارہ داں : نجومی
سِتر کُشا : پردہ کھولنے والا
سحر آگیں : جادو بھرا
سخن ساز : باتیں بنانے والا۔
سخن پرستی : شاعری کی قدر دانی۔ گفتگو کی قدر کرنا۔ بات کی پچ کرنا۔
سر آنکھوں سے : رضامندی اور رغبت کے ساتھ (کسی کام کو بجا لانا۔)
سر بہ زانو ہونا : سوچ میں پڑ جانا۔ غم یا فکر کی حالت میں سر جھکا کر بیٹھنا۔
سَرپنجہ : پنجہ۔ طاقت ور۔ زبردست۔
سَرپنجۂ وفا تھے : وفاداری میں بے مثال تھے۔
سر پر کھیلنا : جان پر کھیلنا۔
[سر پہ کھیلے : مراد یہ ہے کہ اپنی آزادی کو داؤ پر لگا دیا۔
سَرپیچ : پگڑی، پگڑی کے اوپر کا چھوٹا سا کپڑا، ایک قسم کا زیور جو پگڑی میں باندھتے ہیں۔
سَرچشمہ : وہ مقام جہاں سے چشمہ نکلا ہو۔
سُرخ رُو : کام یاب۔ عزت حاصل کرنے والا۔
سَردست : فی الحال
سر دُھننا : بہت افسوس کرنا۔ ماتم کرنا
سرسبز : کام یاب۔

سَر سے : بے حد تعظیم کے ساتھ۔
سِرشک : آنسو
سَرگرانی : خُمار، سر کا بھاری ہونا۔ کشیدگی خفگی۔
سَرِ مُو : (واو معروف) بال برابر۔
سُرمۂ طُور : خدا کی تجلّی سے کوہِ طور جل کر خاکِ سیاہ ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے تھے، اس خاکِ سیاہ کو سُرمۂ طور سے تعبیر کرتے ہیں۔
سرمہ کھلانا : خاموش کر دینا۔
سَرو بالا : سرو کی طرح قد رکھنے والا۔ (محبوب کی صفت)
سرو برگ : ساز و سامان۔
سرِ وطن : وطن لوٹنے کا خیال
سُرود : گانا۔
سَریر : تخت
سعد : نیک، مبارک
سعدین : زہرہ اور مشتری۔ مراد ہے تاج الملوک اور چترا وت سے۔
سفید چشم : زیادہ انتظار یا رونے سے جس کی آنکھوں کا نور جاتا رہے۔
سَلاسِل : زنجیریں
سماں : بہار، رونق۔
سَم : سُروں کی ترتیب وار آواز کے درمیان کا وقفہ۔ مقررہ تال جہاں سے دوبارہ سُر یا راگ بجانے کو لوٹیں۔ (فرہنگ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)
سَموم : تیز گرم ہوا۔
سَمندر : چوہے کی شکل کا ایک جانور، جو آتش کدے میں پیدا ہوتا ہے اور آگ سے باہر زندہ نہیں رہ سکتا۔
سَمَن : چنبیلی
سَمَن بر : چنبیلی جیسا نازک بدن رکھنے والا۔
سِن : عُمر
سُنبُل : ایک خوشبودار گھاس جسے بالچھڑ کہتے ہیں، شعرا معشوق کی زلفوں کو اس سے تشبیہہ دیتے ہیں۔
سَنگت : سازندے کے ساز کی آواز کے ساتھ لَے ملانے والا۔ ساتھی باجے والا۔ تُجڑ وال باجوں میں کا ایک باجا۔
سِنگل دیپ : لنکا
سنگساری : شریعت کی مقرر کی ہوئی ایک سزا، جس میں آدمی کو کمر تک زمین میں گاڑ کر، پتّھر مار مار کر اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔
سنگینی : مراد ہے جسم کے پتھر ہو جانے سے۔

سَواد : سیاہی۔ جب مسافر کسی شہر کے قریب پہنچتا ہے، دُور سے ایک قسم کی سیاہی فضا میں نظر آتی ہے۔ اس کو بھی سواد کہتے ہیں۔

سَوسَن : ایک قسم کا آسمانی رنگ کا پھول۔ جس کی چھے قسمیں ہیں۔ پھول میں پانچ پنکھڑیاں ہوتی ہیں جو کھل کر خمیدہ ہو جاتی ہیں۔ شعرا اس پھول کو زبان سے تشبیہ دیتے ہیں۔

سُہا : ایک چھوٹے ستارے کا نام، جو بنات النعش کے تین ستاروں میں سے دوسرے ستارے کے ساتھ ہے۔

سیّارے : گردش کرنے والے ستارے، یہ سات ہیں

چاند، عطارد، زُہرہ، سورج، مرّیخ، مُشتری، زُحل۔ [مُراد ہے چاروں شہزادوں سے۔

سیّارہ شناس : نجومی

سیج : (یائے مجہول) بستر۔ پلنگ۔ تازے پھولوں کا فرش جس کو بستر پر بچھاتے ہیں۔

سَیر : تماشا۔ ہنسی مذاق۔

سیر ہونا : آسودہ ہونا۔ بے نیاز ہو جانا۔ نیت بھر جانا۔

سیمبر : چاندی جیسا جسم رکھنے والا۔ خوبصورت۔

(ش)

شام جویاں : شام کا انتظار کرنے والے۔

شاہِ خاوَر : سورج

شبستاں : خلوت خانہ۔ حرم سرا۔ (یہاں مراد ہے) رات کی محفل سے۔

شبدیز : سیاہ رنگ کا گھوڑا

شتاب : جلدی

شتاباں : دوڑتا ہوا۔ لپکتا ہوا

شحنہ : کوتوال

شَرر : چنگاری

شرر ریز : چنگاریاں برسانے والا۔

ششدر : حیران

شفق پھولنا : شفق کا ظاہر ہونا [کنایۃً چہرے پر خوشی کی سرخی جھلک اُٹھنا]

شکَرلب : شیریں بیان۔ کنایۃً معشوق

شگوفہ کاری : گُل کاری۔ گُل بوٹے بنانا۔

شگوفہ لانا : انوکھی بات کرنا۔ فتنہ برپا کرنا۔ آفت لانا۔

شگوفہ ہاتھ آنا : ہنسی اور تفریح کا موقع ملنا۔

شَل : تھکا ہوا۔

شمعِ بالیں : وہ شمع جو سرہانے روشن ہو۔

شمعِ فروزِ پردۂ راز : مراد ہے بھید کھولنے والا۔

شملہ : سر سے باندھنے کی شال۔ ایک خاص قسم کی دستار۔ صافے کا وہ حصہ جو پیچھے چھوٹا رہتا ہے۔

شنگرف : ایک سُرخ رنگ کی چیز، جو گندھک اور پارے کو ملا کر تیار کی جاتی ہے اور حل کرکے نقاشی اور مصوری وغیرہ کے کام لائی جاتی ہے (ہندی: اینگر)

شوریدہ : پریشان۔ عاشق۔ دیوانہ۔

شہلنے : شادی میں گائے جانے والے گیت۔

(ص۔ض۔ط)

صدائے کوہ : آوازِ بازگشت جو کنویں یا پہاڑ سے ٹکرا کر پلٹتی ہے۔

صرصر : آندھی

صَلاح : اچھائی، مشورہ۔ تجویز

صلاح دشمن : صحیح مشورے کے خلاف عمل کرنے والا۔ ایسے کام کرنے والا جن میں اس کی بھلائی نہ ہو۔

صنّاع : پیشے اور کام میں ماہر۔ نہایت ہنرمند کاری گر۔

صنّاع طلسم کار : صنّاعی میں جادو کا اثر رکھنے والے۔

صَوت : آواز

صورتِ حال : موجودہ حالت۔ شاہی زمانے میں اُس کاغذ کو کہتے تھے جس میں کسی واقعے یا واردات کا ذکر ہو۔

صیّادنی : صیّاد کی تانیث۔ شکار کرنے والی عورت۔ پھانسنے والی۔

ضیا : روشنی

طُوبیٰ : بہشت کا ایک درخت۔

طالع : قسمت۔ نصیب

طُرفہ : عجیب۔

طَوف : طواف۔ چاروں طرف گھومنا۔

طُومار : لمبا چوڑا خط۔ کاغذوں کا مُٹھا۔ ڈھیر۔

(ع۔غ)

عازِم : ارادہ کرنے والا۔ آمادہ

عالمِ ہُو : سنّاٹا

عَبث : بے کار

عُدول : مُنہ پھیرنا

عَرق : پسینا

عَروس : دُولھن

عَصا : لاٹھی

عَصافیر : عصفور کی جمع۔ چڑیاں

عَقد : نکاح

عُقدہ کھُلا : بھید کھُلا

عمل میں آگئے ہیں : قبضے میں آگئے ہیں

عنبریں : عنبر کی سی خوشبو دینے والا۔ خوشبودار

عُنصُر : اصل۔ بنیاد
عُنصُرِ خلافت ہیں : حکومت کے بنیادی ارکان ہیں۔
عَنقا : ایک فرضی پرندہ۔ کنایتہً نایاب اور ناپیدا چیزوں کو کہتے ہیں۔
عیسیٰ نَفَس : حضرت عیسیٰؑ کی طرح مُردے کو جلانے والا۔
غُبار : گرد۔ کنایتہً ملال۔ رنج
غُربت : پردیس
غُربت زدہ : پردیس کا مارا ہوا۔ پریشان حال مسافر۔
غُرفہ : جھروکا۔ روشن دان
غَرقہ : ڈوبا ہوا
غمّاز : چُغلی کھانے والا۔
غم کھانا : غصّہ ضبط کرنا۔ صبر کرنا۔
غنچہ : کلی۔ جُھرمٹ۔ چند آدمی جو ایک جگہ بیٹھے ہوں۔
غوّاص : غوطہ لگانے والا۔
غوطے میں آنا : فکر میں ڈوب جانا۔
غُول (داو مجہول) : بھیڑ۔ بھُوت پریت۔ دیو شیطان۔

(ف)

فاسِد : خراب
فاسِق : بدکار۔ گنہ گار
فانوسِ خیال : کاغذ کا بنا ہوا فانوس جس میں ہاتھی گھوڑے وغیرہ کاغذ کے بنا کر اس طرح رکھ دیتے ہیں کہ وہ ہوا سے خود بہ خود گردش کرتے ہیں۔
فَتیلہ : چراغ کی بتی۔
فسردہ دل : (افسردہ دل) جس کا دل بُجھا ہوا ہو۔
فِلفِل : مرچ (یہاں سیاہ مرچ سے مراد ہے۔
فَوق : بلندی۔ برتری

(ق)

قالِب : جسم۔ سانچا
قدم لینا : تعظیم کرنا۔ تعظیماً پانو چھونا۔ منّت سماجت کرنا۔ استقبال کرنا۔
قِران : دو ستاروں کا ایک بُرج میں جمع ہونا۔ مجازاً دو اچھے آدمیوں کا جمع ہونا۔
قطرہ زن : دوڑنے والا۔ تیز رَو۔
قطرہ زن سیل : زور دار سیلاب
قلمرو : سلطنت۔ حکومت۔
قَلیان : حُقّہ
قند گھولنا : شیریں سخن ہونا۔
قُوت (داو معروف) خوراک۔ روزی۔
قَول دینا : عہد کرنا۔
قَومِ آتشی : جن

قوی بال : طاقت ور
قیدِ فرنگ : ایسی قید جس سے چھوٹنا مشکل ہو۔

(ک)

کاربند : تعمیل کرنے والا۔ پابند
کاروانی : قافلے والے
کاکُل : سر کے بڑے بڑے آگے لٹکے ہوئے بال۔ لٹ۔ زلف۔
کام رَوا : کامیاب
کاوِش : کھودنا۔ تلاش کرنا۔ دشمنی۔ رنج۔
کِبریا : خدا کا نام۔ بزرگی۔ بڑائی۔
کتاں : ایک نہایت باریک کپڑا، جس کے متعلق شاعروں کا خیال ہے کہ وہ چاند کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔
کحّال : آنکھوں کا علاج کرنے والا۔ سُرمہ بنانے والا۔
کُچ : عورت کی چھاتی۔ (بہ طور جمع : کچوں، کچیں، استعمال کیا جاتا ہے)
کچھ خیر ہے : حیرت اور تعجب کی جگہ بولتے ہیں۔
کَد : اصرار۔ ضد۔
کَدخُدا ہونا : دُولھا بننا۔ یہاں مراد ہے شادی ہونے سے۔
کریہہ منظر : بدصورت۔ سیاہ فام۔
کڑوا : بہت غصّے والا۔ بدمزاج۔
کڑی : زرہ یا زنجیر کا حلقہ، سختی، دُکھ، کٹھن۔
کڑی اُٹھانا : مُصیبت اُٹھانا۔
کڑی پڑنا : مصیبت پڑنا۔
کشیدہ داماں : بے تعلق۔ الگ الگ۔
کَف : ہتھیلی۔ ہاتھ
کَل سُجھائی : طریقہ بتایا۔
کلغی : طُرّہ جو پگڑی یا ٹوپی یا تاج میں لگاتے ہیں۔ ایک خاص پرندے کے چند خوش نما پر جنھیں بادشاہ اپنے تاج اور پگڑی پر لگاتے تھے۔
کمال پارسا : بہت پرہیزگار۔
کم مایہ : غریب۔
کُندن : خالص سونا۔
کندہ ہونا : نقش و نگار بنے ہونا۔
کوہِ اَلبُرز : ایران کے شمال میں ایک مشہور بلند پہاڑ کا نام۔
کھبنا : پسند آنا۔ زیب دینا۔
کہکشاں : وہ لمبی راہ جو رات کو آسمان پر نظر آتی ہے چونکہ وہ اس طرح معلوم ہوتی ہے گویا کوئی اس راہ سے گھاس گھسیٹتا ہوا چلا گیا ہے اور نشان پڑ گئے ہیں۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ حقیقت

میں وہ چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں جو
زیادہ فاصلے کی بنا پر اس طرح نظر آتے
ہیں۔ (مراد ہے نہر سے)

کِھلاڑ : اوباش عورت، شوخ، چنچل۔

کُھلے بندوں کہنا : علانیہ کہنا۔ صاف صاف کہنا۔

کُہن سال : زیادہ عمر والا۔ بوڑھا۔

کُور : اندھا۔

کُوکا : دودھ شریک بھائی۔

کھودنا : کنایتہً، تحقیقات کرنا۔

کھود کر نکالی : تحقیقات کر کے پتا لگا لیا۔

کھیل کھانا : آوارگی میں زندگی بسر کرنا۔

کہے تو : گویا۔ جیسے (قدیم زبان ہے، اب متروک ہے۔)

(گ)

گائن : گانے والی۔

گائنیں : گانے والیاں۔

گِرداب : بھنور

گَردباد : بگولا۔

گردوں : آسمان۔

گراں بہا : بیش قیمت، بہت قیمت والا۔

گُڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو : جو کام آسانی اور نرمی سے ہو سکے، اس میں سختی نہیں کرنا چاہیے۔

گندمِ جَو نما : اصل مرکب ہے "گندم نما جَو فروش" دھوکے باز، مکّار آدمی کو کہتے ہیں کہ ہو کچھ اور اپنے آپ کو ظاہر کچھ کرے۔
نسیم نے یہاں گندم اور جَو کی شکلی مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ تھی تو لڑکی، لیکن اس کو لڑکا ظاہر کیا گیا ہے۔

گندم کے بہانے جو فروشی : مکّاری کرنا۔ فریب دینا۔

گُور : قبر

گُور : گورخر۔ جنگلی گدھا

گُورکَن : قبر کھودنے والا۔

گَوں : پسند۔ مطلب۔ لائق۔ مناسب۔

گُل اندام : گلاب کے پھول کی طرح نازک بدن۔

گُلبانگ : چہچہا۔ قلندروں کا نعرۂ مسرت شادی کی دھوم دھام۔ خوشخبری۔

گلبانگ زنان : خوشی کے نعرے لگاتا ہوا۔ چہکتا ہوا۔

گُلبرگ : گلاب کی پنکھڑی۔

گُلبُن : گلاب کا درخت۔ کنایتہً پھلواری

گل تکیہ : وہ چھوٹا سا گول تکیہ جس کو سوتے وقت (امرا) رخساروں کے نیچے رکھتے ہیں۔

گلخن : بھاڑ۔
گُلرنگ : سُرخ۔
گُلزارِ خلیل : وہ آگ جس میں نمرود بادشاہ نے حضرتِ ابراہیمؑ کو ڈال دیا تھا اور وہ خدا کے حُکم سے سرد ہوکر باغ بن گئی تھی۔
گُل زمیں : سرسبز و شاداب قطعۂ زمین
گل کھِلنا : کوئی نئی یا انوکھی بات ظاہر ہونا۔
گل گشت : سَیر
گُل گوں : گھوڑا۔
گُلنار : سرخ۔
گلوگیر : کسیلی چیز جو گلے کو پکڑ لیتی ہے (مسلسل رونے کی وجہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

(ل)

لاگ : محبت، عداوت، جادو ٹونا۔ وہ چیز جس سے کوئی قابو میں آجائے۔
لرزہ : وہ کپکپی جو خوف یا بیماری کی حالت میں ہوتی ہے۔
لشکر کش : حملہ کرنے والا۔
لشکری : سپاہی
لگانا : اُکسانا۔ اُبھارنا
لُوتھ : لاش۔
لُوکا لگانا (واو معروف) : جلانا۔ آگ لگانا۔

(م)

مارِ آستیں : چھپا ہوا دشمن جو ساتھ رہ کر دشمنی کرے۔
مامَن : امن کی جگہ۔ ٹھکانا۔ پناہ کی جگہ۔
ماہ پارہ : چاند کا ٹکڑا۔ بہت خوبصورت۔
ماہ سیما : خوبصورت
مبہوت : حیران۔ دیوانہ۔ نشے میں سرشار
مَٹھ : دھرم شالا۔ مندر۔ کُٹی
مَثَل تھا : مشہور تھا۔
مجذوب : فقیروں کی ایک قسم جو اکثر بے سروپا باتیں کیا کرتے ہیں۔ دیوانہ۔ سودائی۔
مُجرئی : مجرا بجالانے والا، سلام کرتے والا۔
مجمر : وہ ظرف جس میں خوشبو کی چیزیں جلاتے ہیں جیسے اگردان۔
مجہول : سست۔ نکمّا۔ نامعلوم۔
مَحبَس : قیدخانہ۔
مَحبوس : قیدی۔
مِدحَت : تعریف۔
مُحرَم کُرتی۔ انگیا۔
مَحرَم رازدار۔
مَحضَر : وہ کاغذ جس پر قاضی کی مہر لگی ہوئی ہو۔ وہ تحریر جس پر کسی دعوے کے

ثابت کرنے کے لیے لوگ اپنی مہریں لگائیں یا دستخط کریں
مَردُم : آنکھ کی پُتلی۔ لوگ۔
مرسوم : رسم کے طور پر مقرر کیے گئے (قاعدے)
مرّیخ : ایک ستارے کا نام جس کو جلّادِ فلک بھی کہتے ہیں۔
مِژہ : پلک
مِژگاں : پلکیں۔
مُساوات : برابری۔
مستِ بادہ : (محبت کی) شراب میں مست۔
مَستُور : چھپا ہوا۔
مَسکَن : رہنے کی جگہ۔ مکان۔
مسموع ہوئی : سُننے میں آئی۔ سُنی۔
مشّاطہ : وہ عورت جو عورتوں کا بناو سنگار کرائے۔ وہ عورت جو نسبت تلاش کرے اور شادی کرائے۔
مُشتِ پَر : تھوڑے سے پَر۔
مُشتِ خاک : ایک مٹّی خاک۔ کنایتہً انسان۔
مُشیر : مشورہ دینے والا۔
مَصرَف خرچ۔
مَصلحت سنج : مناسب اور معقول بات سوچنے والا۔
مَصئُون : محفوظ
مُطلَق العنانی : بالکل آزاد ہونا۔
مَعدَن : کان۔
مُعنبر : خوشبودار۔
مُفارَقت : جُدائی۔
مُفت بَر : لٹیرا۔
مَفَر : بھاگنے کی جگہ۔ چارۂ کار۔
مقام : ٹھہرنے کی جگہ۔ موقع محل۔
مقام پاکے : موقع پاکر۔
مقامِ ہُو : جہاں سناٹا ہو۔ وحشت ناک جگہ۔
مُلہِم غیب : غیب سے کوئی بات دل میں ڈالنے والا۔ غیبی فرشتہ۔
مَن : وہ مُہرہ جو سانپ کے پیٹ میں رہتا ہے اور جس کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ جس وقت سانپ اس کو اندھیری رات میں اُگلتا ہے تو وہ شعلے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔
منزلِ گہِ رہ رُواں : وہ عمارت جہاں مسافروں کے ٹھہرنے کا انتظام ہو۔
مِنقار : چونچ۔
منکوب : تباہ۔ بدحال۔
مُنہ چڑھنا : حجت کرنا۔ تیوری چڑھانا۔
مور : چیونٹی۔
موش دوانیاں : فتنہ انگیزی کرنا۔ مراد ہے ،

باغ بکاولی میں نقب لگانے سے۔

مہِ انجمن : رونقِ محفل (مراد ہے راجا اندر سے)

مہتابی : اونچا بڑا کھلا کٹہرے دار چبوترا، جو اکثر محل کے سامنے یا باغ کے صحن میں چاندنی کی بہار دیکھنے کے واسطے بنایا جاتا ہے۔

مہجور : بچھڑا ہوا۔

مہِ دو ہفتہ : چودھویں کا چاند۔

مِہر : محبت، مہربانی، سورج۔

مُہرے آئی : اپنے آپ کو ہار جیت کے لیے پیش کیا۔

مُہرہ بازی : شعبدہ بازی۔ (پانسے سے جُوا کھیلنا۔)

مِہرگیا : ایک گھاس کا نام۔ اس کی جڑ آدمی کے چہرے کی طرح کی ہوتی ہے، پُرانے خیال کے مطابق جس شخص کے پاس یہ جڑ ہو، لوگ اس کی بات مانیں گے اور اس پر مہربان ہو جائیں گے، سورج مکھی کا پھول۔

مِہروش : بہت خوبصورت۔

مُہرہ : شطرنج کی گوٹ، سانپ کا من۔

مہ لقا : چاند سی صورت والا۔ بہت خوبصورت

مہمیز : لوہے کا کانٹا جو سواروں کی ایڑی پر لگا ہوتا ہے اور اس سے گھوڑے کو ایڑ دیتے ہیں۔

مِیل (یائے معروف) : سلائی۔

مَیل : خواہش۔

مینو : جنت۔

(ن)

ناب : خالص۔

ناچنی : ناچنے والی۔

نار : آگ۔

ناکا : شہر میں داخل ہونے کا راستہ۔ شہر کا دروازہ۔

نام پہ حرف آنا : نام بدنام ہونا۔

نامِ خُدا : یہ کلمہ نظرِ بد کے آسیب سے کسی کے محفوظ رہنے کے لیے، تعریف کی جگہ، اور برکت کے لیے زبان پر لاتے ہیں۔

ناہید : زہرہ۔ یہ ستارہ (قدیم خیال کے مطابق) تیسرے آسمان پر ہے۔ اسے رقاصۂ فلک اور مطربۂ فلک بھی کہتے ہیں۔

نجم : ستارہ۔

نخل : درخت۔

نخلِ تابوت : ایک قسم کی آرایش جو مُردوں کے تابوت پر کی جاتی ہے۔ (پھولوں کی

ٹہنیاں وغیرہ لگانا۔) پہلے یہ طریقہ ایران
میں تھا۔ ہندستان میں (ہندوؤں میں)
بوڑھے آدمی کی ارتھی کو اس طرح سجایا
جاتا ہے۔

نرد : چوسر کا مہرہ (دیکھیے چوسر)
نُزہت : پاکیزگی۔ بے عیب ہونا۔ تر و تازہ ہونا۔
نسریں : سیوتی کا درخت۔ سیوتی کا پھول۔
نسریں بدن : محبوب کی صفت ہے۔ سیوتی کے
پھول کی طرح نازک بدن۔
نصیب اُعدا : دشمنوں کا حصہ۔ جب کسی عزیز کی
بیماری یا کسی بُری خبر کا ذکر کرتے ہیں۔
اُس وقت یہ کلمہ اس کے ساتھ بولتے ہیں۔
نَفَر : نوکر۔ ادنا ملازم۔
نُقرہ : چاندی۔
نقرۂ خام : کچی چاندی۔
نقشِ عملِ نگار : محبوب کے ہاتھ کی تحریر۔
نقش ہوا : یقین ہو گیا۔
نُقْل : گزک۔ وہ چیز جو ذائقہ تبدیل کرنے
کے لیے کھاتے ہیں۔ جیسے شراب کے
بعد کباب، پستہ، بادام وغیرہ۔
نکتہ : نازک بات۔ باریک بات۔ وہ بلیغ بات
جسے ہر ایک نہ سمجھ سکے۔
نکتہ چیں : عیب لگانے والا۔ اعتراض کرنے
والا۔
نکہت : خوشبو۔
نگار : محبوب۔ نقش۔
نِگار خانہ : تصویر خانہ۔ وہ گھر جس میں زیادہ
نقش و نگار ہوں۔
نِگاریں : مُنقّش۔
نَل : ایک راجا کا نام، جس نے چوسر کا کھیل
ایجاد کیا تھا۔
نور آگیں : نور بھرا ہوا۔ مراد ہے بکاولی
سے۔
نورِ بصر : آنکھ کی روشنی۔
نورِ دیدہ : آنکھوں کی روشنی۔ کنایتہً بیٹا۔
نوک رکھ لینا : آبرو رکھ لینا۔
نو لکھا ہار : نو لاکھ کی قیمت کا ہار
نَے : بانسری۔ نرکل (جس کا قلم بناتے ہیں۔)
نَیرنگ : جادو۔ شعبدہ۔ مکر۔ فریب۔
نیک اختر : خوش نصیب۔
نیگ : شادی میں رشتے داروں یا خدمت کرنے
والوں کو جو انعام، رسم کے طور پر دیا
جاتا ہے۔

(و)

وا : کھلا ہوا۔
واشُد ہوئی : مراد ہے کہ کھیت میں پودے نکل

آئے۔

وَش : طرح

(۵)

ہالہ : وہ حلقہ جو چاند اور سورج کے آس
پاس نظر آتا ہے۔

ہاتھ ملنا : افسوس کرنا۔

ہتھکنڈا : چالاکی۔ ہاتھ کا کرتب۔

ہتھیلی پر سرسوں جمانا : کوئی کام اس طرح
آناً فاناً کر دینا، جس سے عقل حیران رہ
جائے۔ نہایت مشکل کام کو بہت پھرتی سے
کر دینا۔

ہر ہفت : آرائش۔ عورتوں کے سات سنگار :
(۱) منہدی ملنا۔ (۲) سرمہ لگانا (۳) پان
کھانا، مسی کی دھڑی جمانا (۴) سر گوندھنا
(۵) چوڑی پہننا (۶) افشاں چُننا (۷)
زیور پہننا۔ (نور اللغات)

ہرے ہرے باغ دکھلانا : فریب دینا

ہزار داستاں : بلبل کی ایک قسم جو کئی بولیاں
بولتا ہے اور نہایت خوش آواز ہوتا ہے۔
کنایتہً ایسا شخص جو نہایت خوش
بیان ہو۔ طرح طرح کی گفتگو اور حکایتوں
سے دل خوش کرنے والا۔

ہلکا ہونا : خفیف ہونا۔ ذلیل ہونا۔

ہمتا : برابر۔

ہم چشم : برابر والا۔ ہم رتبہ۔

ہم خانہ : ایک گھر میں رہنے والے۔

ہم خواب : ساتھ سونے والا۔

ہم عناں : ہمراہ۔ برابر۔ ساتھی۔

ہم نظر نہیں ہے : سورج بھی اس کو نہیں
دیکھ سکتا۔ (ص ۲۵)

ہم نَفَس : رفیق۔ ساتھی۔ ہم کلام۔

ہم قدم : ساتھی۔ ہم سفر۔

ہَوَا : خواہش۔

ہَوا بتانا : ٹال دینا۔

ہوا بتائی : مراد ہے، ہوا میں پھینک دیا۔

ہَوَا دار : پالکی کی قسم کی ایک سواری، جو اُوپر
سے کھُلی ہوئی، یعنی بغیر چھت کی ہوتی
تھی۔ شام کے وقت اُمرا ہوا خوری کے لیے
استعمال کرتے تھے۔ اس کو تام جھام بھی کہتے
ہیں۔ (فرہنگ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)

ہَوا سمانا : دُھن سمانا۔

ہَوا سے ہم عناں تھا : ہوا کی مانند تیز رفتار تھا۔

ہَوا کے گھوڑوں پر کاٹھی باندھی : ہوا پر اڑنے لگا۔

ہوا لگنا : خواہش ہونا۔ دُھن ہونا۔

ہَوا نہ دینا: خبر نہ کرنا، پتا نہ دینا۔

ہَوا ہو : دیر نہ کرو، جلدی جاؤ۔

ہَوائی : ایک قسم کی آتش بازی۔ آسمانی۔ ہوا پر چلنے والا۔

ہیجان : تیزی، شدّت۔ جوش۔

ہیہات : افسوس۔

ہَیئت : صورت۔ شکل۔ حالت۔

(ی)

یاسمن : چنبیلی۔

یاسمن بر: چنبیلی کی طرح نازک بدن۔

یخ : ایک قسم کا برف، نہایت سرد۔

یزداں : خدا۔

یزدانی : آتش پرستوں کے زاہد و عابد لوگ۔

یعقوبؑ : ایک مشہور پیغمبر، جو حضرت یوسفؑ کے والد تھے۔ اور حضرت یوسفؑ کے انتظار میں روتے روتے ان کی آنکھوں کا نور جاتا رہا تھا۔

یکچند : کچھ مدّت تک۔

یکسر : تمام، بالکل۔

یک قلم : بالکل، تمام، فوراً۔

یگانگی : رشتہ داری۔

یم : سمندر۔